سوانح حیات حضرت سید شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ
الموسوم
گلشن صادق
مؤلف
میر وارث علی ابن میر ہدایت علی پیرزادہ
گلشن آبادی (ناسک)
سالِ طباعت: ۱۴۰۱ھ
۱۹۸۱ء

دربار اقدس حضرت شاہ محمد صادق شیخی سرمست قدس سرہ العزیز

٧٨٦
سوانح حیات حضرت سید شاہ محمد صادق
سرمست حسینی رحمت اللہ علیہ
الموسوم
گلشن صادق
ناسک
مصنف
میر وارث علی ابن میر ہدایت علی پیرزادہ
گلشن آبادی (ناسک)

خوش نویس جمال اعظمی، مالیگاؤں

طابع نورانی فائن آرٹ لیتھو پریس،
مالیگاؤں ضلع ناسک

سالِ اشاعت ۱۹۸۱
۱۴۰۱ھ

بار اوّل

تعداد اشاعت ۵۰۰

قیمت :-

فہرست

پیش لفظ ۶

عرض داشت ۱۱

دیباچۂ مصنف ۱۳

گذارش ۱۷

حمد ۱۹

نعت رسول و منقبت بزرگانِ دین ۲۰

باب پہلا

حضرت سیّد شاہ محمد صادق حسینی سرمست کی آمد اور اشاعتِ اسلام کی کارگذاری، آپ کی زوجۂ محترمہ، اولاد، والد ماجد، مرشد و خلیفہ کا تذکرہ ۴۵

حضرت مانک شاہ بی بی کا بیان ۵۰

حضرت شیر محمد ۵۲

حضرت سیّد نعمت اللہ ۵۳

حضرت شاہ پیر صاحب ۵۳

حضرت سیّد عبدالکریم ۵۴

حضرت ماہ صاحبہ عرف ماں صاحبہ بی بی ۵۵

حضرت امین الدین عرف سیّد شیر محمد مدنی ۵۵

مخدوم شاہ سید حمزہ سرمست شطاری رح ۵۶

سید حسین بال برہنہ چشتی ۵۸

شیخ جمال الدین جمن چشتی ۵۹

باب دوسرا

حضرت کی بابت ماضی وحال کے مصنفوں کی تحریریں ۶۰

شہزادہ خرم ۶۲

تاج محل عرف ممتاز محل ۷۱

سردار ملک عنبر ۷۴

مرتضیٰ نظام شاہ بحری ۷۵

شاہ جی بھونسلا ۷۶

مہابت خاں سردار ۷۸

شاہ جہاں کی آگرہ میں تاجپوشی ۸۳

باب تیسرا

حضرت کی پہلی کرامت ۸۷

حضرت کی دوسری کرامت ۸۹

حضرت کی پہلی پیشین گوئی ۹۱

حضرت کی دوسری پیشین گوئی ۹۲

حضرت کی تیسری پیشین گوئی ۹۲

جاگیر و انعامات ۹۲

لفظ سرمست کی تشریح ۹۴

حضرت ادران کی اولاد کا شجرۂ مبارک — ۱۰۲
حضرت کے فرزند ولی، شاہ جہاں، نظام الملک، سردار ملک عنبر وغیرہ کے بیعت کا شجرہ — ۱۰۸

باب چوتھا

صندل و عرس شریف — ۱۱۲
حضرت کا مزار شریف — ۱۱۸
عمارات در احاطہ درگاہ شریف — ۱۱۸

باب پانچواں

حضرت کے خاندان کی چند ہستیوں کی تصانیف اور انکی مختصر سوانح حیات — ۱۲۷

باب چھٹا

سید حسین رانجہ شہید رح (رانت دولی) — ۱۴۱
حضرت آدم شاہ چشتی رح — ۱۴۶
حضرت ہمدان شاہ مجذوب — ۱۴۷
حضرت شیخ حسین میاں — ۱۴۷
ناسک کے اطراف کے دیگر اولیاء اللہ و بزرگان دین کا مختصر بیان
نام کتب ماخذات جن سے کتاب ترتیب دینے میں مدد لی گئی — ۱۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کی آمد کئی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ ان حکمرانوں کے عمل دخل نے اس سرزمین کو نئی فضا اور نئی سمتوں سے روشناس کیا۔ رنگارنگ تہذیب، نت نئے فنون اور جدید معاشرتی رجحانات سے نوازا۔ ذہنی افق کو وسیع کیا اور ساتھ ہی ساتھ اشاعتِ اسلام کے لئے میدان بھی ہموار کیا ان کے ہمراہ صرف جنگجو قافلے ہی نہیں آتے رہے، فن کاروں، حکیموں، شاعروں، معماروں، دانش وروں کے علاوہ صاحبِ حال وقال بزرگ بھی تشریف لاتے رہے۔ بزرگانِ دین نے اشاعتِ دین کے سلسلہ میں جس بے پناہ کدوکاوش سے کام لیا اس کا بیان احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ یہ اولیائے کرام، مشائخین، عارفین اور مبلغین ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور دین وحق کے چراغ کو روشن کرتے رہے۔ لاتعداد اکابرینِ دین یہاں آئے لیکن ان میں سے معدودے چند ہی ایسے ہیں جن کی سوانح حیات لکھی گئی یا جن کا ذکر مختلف کتابوں میں آتا رہا، لیکن بڑی تعداد ان بزرگوں کی ہے جن کے احوال سے کوئی واقف نہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

لائقِ صد ستائش ہیں وہ حضرات جنھوں نے بزرگانِ دین کی سوانح حیات مرتب کی اور اس کو کتابی شکل میں محفوظ کیا۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ

اکابرینِ حق کوئی معمولی شخصیتیں نہ تھیں فلسفہ، اخلاق، حکمت اور ادب پر کامل عبور رکھنے کے علاوہ انسانی نفسیات کا گہرا علم بھی رکھتے تھے۔ پاکیزگی فکر، پاکیزگی طبیعت اور پاکیزگی کردار کے سہارے نہ صرف خود کو ویرانوں میں بھی گلزار بنائے رکھا بلکہ دوسروں کے ذہنوں میں سلگنے والی جہنم کو بھی بہشت میں تبدیل کر دیا۔ لوگ غموں کی آگ میں جلتے ہوئے دل لے کر حاضر ہوتے تھے اور روحانی سکون سے لبریز دل لے کر لوٹتے تھے۔ یہ بزرگ طول طویل وعظ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دو فقروں ہی میں اپنے ملاقاتی کی کایا پلیٹ دیتے تھے۔ کیوں نہ موجود دریا کو کوزے میں بند کر لینے کے فن سے واقف تھے وہ لمبی چوڑی تقریروں کو دو ایک لفظ میں سمو دینے کے ہنر سے کیوں کر آشنا نہ ہوتے۔ ان کا ایک لفظ ایک دفتر پر بھاری تھا۔ ان کی ایک جنبشِ نظر کائنات میں تہلکہ مچا دینے کے لئے کافی تھی۔ یہی وہ بات تھی جو اقبال کے قلم سے یوں ڈھل کر نکلی۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آنکھوں میں ایمان کی چمک، دل میں انتہائی خلوص، زباں پر سحر انگیز کلام ظاہری و باطنی نور سے جگمگاتی ہوئی شخصیت

اُس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

بہرحال بزرگانِ دین کی سوانح حیاتِ ملتِ اسلامی کا ایک سرمایۂ گرانمایہ

ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ اللہ کے اس پورے گروہ کو اس رخ سے بھی دیکھا جائے جس طرف علم و حکمت کے مظاہر ہیں۔ اخلاقی و روحانی ارتقا ہے، ضبطِ نفس کا درس ہے، باطنی طہارت و تزکیہ کا عمل ہے، قلبِ مطمئنہ کے حصول کا آزمودہ طریقہ ہے، صحت مند فلسفہ اور ذہن کو تازگی بخشنے والی فضا ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے اس اہم رُخ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ ہم نے بزرگانِ دین کی بنائی ہوئی راہوں اور چھوڑے ہوئے نقوش کو نظر انداز کر دیا۔ ہم قلبِ مطمئنہ کو فراموش کر گئے۔ ہم روحانی سکون سے محروم ہو گئے، ہم زندگی سے دُور ہو گئے۔ جو چیز (روحانی سکون) کل تک ہمارے گھر کی کنیز تھی، آج اسی کی تلاش میں نہ صرف ہم صرف بلکہ ساری دنیا سرگرداں ہے، ہم نے اس چراغ کو بجھا کر نہ صرف اپنے گھر میں اندھیرا کیا بلکہ ساری دنیا کو اس کی لپیٹ میں لے لیا۔

زیرِ نظر تالیف بنام "گلشنِ صادق" جناب میر وارث علی ابنِ میر ہدایت علی پیرزادہ گلشن آبادی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے حضرت سید صادق شاہ حسینی سرمست رح کی سوانح حیات، کمال و احوال، دانش و کاوش اور تبلیغ و اشاعت دین سے متعلق وسیع معلومات فراہم کی ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے تحقیق و تلاش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کوئی بات محض قیاس کی بنیاد پر نہیں لکھی۔ کئی مستند اردو، فارسی اور انگریزی کتابوں سے معلومات اخذ کی۔ تقریباً ۲۷ کتابوں کے حوالے اس تالیف میں ملتے ہیں۔ "پریچنگ آف اسلام" "تزکِ جہانگیری"، "خاصانِ خدا"، "اکبر نامہ"، "سیر العارفین"، "عملِ صالح" "دلیل العارفین" وغیرہ جیسی کتابیں آج نایاب ہیں۔ ان کی دستیابی بذاتِ خود ایک دقت طلب مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ کو مؤلف کی انتھک محنت نے حل کر لیا اور برسوں کے

گہرے مطالعے کے بعد ان ماخذوں سے ایسے ایسے پھول چنے جن کے بغیر "گلشنِ صادق" کی مکمل آراستگی ممکن نہ تھی۔ تحقیق و تفتیش کے اعتبار سے اس کتاب کو تاریخی سند کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اس جامع تالیف سے مستقبل کا مورخ بھی فائدہ اٹھائے گا، آثار قدیمہ سے دل چسپی رکھنے والا شخص بھی استفادہ حاصل کرے گا اور بزرگانِ دین کا عقیدت مند بھی فیض اٹھائے گا۔ یہ ایک ایسا دسترخوان ہے جس پر مختلف النوع مہمانوں کی بیک وقت خاطر ہو جائے گی۔ اللہ پاک ایسے مصنّف کو رزقِ فراواں سے نوازے۔

بہر حال یہ کتاب کس نوعیت کی ہے اس پر زیادہ روشنی ڈالنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ "دیباچۂ مصنّف" میں کامل طور پر خلاصہ کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ابتدا ناسک کی تاریخ سے ہوتی ہے۔ یہ مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کتاب چھ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے، جن کے مطالعہ سے حضرت سیّد صادق شاہ حسینی رحم کی آمد کے وقت ناسک کے قدیم باشندوں کے حالات سے کافی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

باقی ابواب میں حضرت سیّد صادق شاہ حسینی سرمست رح کی سوانح حیات ہے۔ یہ سوانح اپنے دائرے میں مغلیہ تاریخ کے کچھ اجزاء بھی سمیٹ لیتی ہے اور جہانگیر، شاہ جہاں اور ممتاز محل کے علاوہ دیگر امرأ و وزرار کے کچھ ایسے ذاتی واقعات بھی پیش کرتی ہے جن سے مغل حکمرانوں کی اولیائے کرام سے عقیدت اور دینِ فطرت کی طرف رجحان کی بابت واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ سچ ہے اگر یہ اکابرینِ حق نہ ہوتے تو مسلم حکمراں اسلام کی پاکیزہ روش سے ہٹ جاتے اور شتر بے مہار کی طرح وہ ہنگامے مچاتے کہ دین کا چہرہ مسخ ہو جاتا۔ تاریخ دہ تخت کے مالکوں نے اسلام

کی خاطر جو کچھ بھی کیا وہ ان اولیائے کرام کے حلقۂ ارادت میں رہ کر کیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آج ہندوستان سے اسلام کے آثار ہی مٹ جاتے یا نہ مٹتے تو غلط شکل میں نظر آتے۔

آخر میں ناسک کے دیگر اہل اللہ کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب بھی تاریخی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان اولیائے کرام کے حالات کے ضمن میں مرہٹوں کی تاریخ کی طرف بھی کچھ اشارے ملتے ہیں اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بزرگانِ دین نے اپنے حسنِ سلوک سے کس طرح غیر مسلموں کو بھی اپنا گرویدہ و عقیدت مند بنالیا تھا اور کس طرح ان کی دعاؤں سے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم بھی فیض یاب ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ یہ تالیف گوناگوں اوصاف کی حامل ہے۔ تاریخی ادب کے لئے ایک نیا میدان، بزرگانِ دین کے عقیدت مندوں کے لئے ایک نیا منظر، محققین کے لئے ایک نیا زاویہ اور آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نئی نظر فراہم کرتی ہے۔ امید ہے کہ اربابِ ذوق اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور قدر کی نگاہ سے نوازیں گے۔

رزاق حمید،
ایم اے بی ایڈ
ناسک

عرض داشت

اِس تصنیف سے پہلے حضرتِ سیّد شاہ محمّد صادق سرمست حسینیؒ کی سوانح حیات کا مختصر رسالہ "صبحِ صادق" ۱۳۳۰ھ میں مولوی سیّد بشیر الدین احمد نقوی پیرزادہ گلشن آبادی نے شائع کیا۔ بعدہٗ انھوں نے طویل عرصہ کے بعد دوسرا رسالہ بنام "گلزارِ صادق" حضرت کی سوانح حیات کچھ زیادہ مواد کے ساتھ ۱۳۷۱ھ میں مرتّب کیا، اور ایک بڑا حقِ اسلاف جو ان پر عائد تھا کسی حد تک پورا کیا۔ آج سے پہلی تصنیف کی اشاعت کو تقریباً ستّر سال کا اور دوسری تصنیف کو ۲۶ سال کا عرصہ گذر چکا۔ اب یہ دونوں نادر نسخے یعنی "صبحِ صادق" اور "گلزارِ صادق" فی الحال نایاب ہو چکے ہیں۔ شائقین اور معتقدین، اولیاء اللہ حضرات اور خصوصاً باشندگانِ ناسک کو حضرت کی سوانح حیات سے بہت کم واقفیت حاصل ہے، لہٰذا معتقدین کی اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے تیسری بار کوشش کی گئی ہے اور کتاب ہٰذا الموسوم بہ "گلشنِ صادق" حضرت کی سوانح حیات زائد معلومات کے ساتھ احقر الناس سراپا تقصیر میر وارث علی ابنِ میر ہدایت علی پیرزادہ گلشن آبادی نے مرتّب کرنے کی سعی کی۔ حالاں کہ یہ کام مؤلف کی بساط سے باہر اور بڑا مشکل تھا۔ تاہم حتی الامکان کوشش کی گئی اور [illegible] مستند کتابوں سے امداد لیتے ہوئے اس کو شائع کیا جارہا ہے۔ کتاب ہٰذا کا نام "گلشنِ صادق" رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مؤلف کے خالو مولوی سیّد بشیر الدین احمد کی مذکورہ تصنیفات "صبحِ صادق" اور "گلزارِ صادق" سے اس

کو وابستگی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت کے دور میں خود ناسک کا نام گلشن آباد تھا۔ اس مناسبت سے اس کتاب کا نام "گلشنِ صادق" زیادہ موزوں دکھائی دیا۔ خداوند قدوس سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کارِ خیر کو تکمیل تک پہنچائے کہ یہی مؤلف کی زندگی کا حاصل ہے۔

اے کارسازِ قبلۂ حاجات کبریا
آغاز کردہ ام تو رسانش بپایِ تہا

احقر الناس سراپا تقصیر
میر وارث علی ابن میر ہدایت علی پیرزادہ
گلشن آبادی عرف ناسک
خلیفۂ صوفی فضل الخالق شاہ حسنی، بھارت گنج، الہ آباد

دیباچۂ مصنّف

جب کسی شہر یا مقام کے قدیم حالات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس مقام کی معلومات حاصل کرنے کے لئے بہترین ذریعہ اس مقام کی بابت معتبر مورخوں کی تصنیفات اور تالیفات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا قدیم ناسک کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے دی بامبے گیاز ھیٹر سے مدد حاصل کی گئی ہے جو سنہ ۱۸۸۳ء میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ناسک ضلع کی معاشرتی، علمی، اخلاقی، مذہبی، تہذیبی اور یہاں کے پرانے باشندوں کی رہائش کی طرز و روش پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس قدیم گیاز ھیٹر کی حال ہی میں نئی ایڈیشن بھی سنہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی ہے جو ناسک سے متعلق مزید معلومات پیش کرتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں پرانی معلومات کے نقطۂ نظر سے نہایت ہی بہترین اور اہم ہیں۔ جن کے مطالعے سے قدیم ناسک کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

ناسک شہر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی اعتبار سے اہمیت، مغلیہ دورِ حکومت میں حضرت سید شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ کی ناسک میں تشریف آوری ایسی بستی جو شرک و کفر سے معمور ہو اور جہاں صبح و شام ناقوس اور گھنٹوں کی آوازیں کانوں میں گونجتی ہوں، وہاں پر اشاعتِ اسلام کا کام انجام دینا اور ناسک میں سکونت پذیر ہو کر اس سرزمین کو اپنے آستانۂ مبارک کا شرف بخشنا، اپنے دور کے شہنشاہِ وقت شاہجہاں، ممتاز محل دیگر امراء و روسائے سلطنت، نظام الملک، سردار ملک عنبر وغیرہ وغیرہ

کو حلقۂ ارادت مریدی میں شامل کرنا اور اس زمانے کے بہت سے اولوالعزم ہستیاں جن کا تعلق حضرت اور ان کی اولاد سے رہا ہے اس کا تذکرہ، حضرت کو جاگیر و انعام کی عطیات، حضرت کی کرامات و پیشین گوئیاں، ان تمام واقعات کی تاریخ دکن سے وابستگی، حضرت کے صندل و عرس شریف کی تقریبیں، حضرت اور حضرت کی اولاد کا شجرہ مبارک، احاطۂ درگاہ شریف کا بیان، حضرت کے خاندان کی چند ہستیوں کی تصانیف اور ناسک کے قرب و جوار کے دیگر ولی اللہ و مجذوب کے حالات کا تحقیقی نظر سے جائزہ لینا اس تالیف کا مقصد ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں مؤلف کو کئی سال گذارنے پڑے کیوں کہ قدیم معلومات نایاب کتابوں سے اخذ کرکے اُسے منظرِ عام پر لانا ایک بڑا مشکل اور کٹھن کام تھا۔ اس سلسلے میں ستائیس کتابوں سے امداد لی گئی ہے جن کے نام انتہا کتاب میں دیئے ہوئے ہیں۔ ان میں چند کتابیں ایسی بھی ہیں جنھیں تصنیف ہوئے کئی صدیاں گذر گئیں، مثلاً اسرار الاولیاء، حدیقۃ الاولیاء، سیر العارفین، دلیل العارفین، عملِ صالح وغیرہ، اور اب یہ کتابیں نادر نسخے بن چکے ہیں۔ حضرت کی سوانح حیات کی بیشتر معلومات "صبحِ صادق" اور "گلزارِ صادق" سے اخذ کی گئی ہے اور واقعات کو تاریخ کی روشنی میں تحقیق کے بعد زیرِ قلم لایا گیا ہے۔

اُس دور کے تاریخی واقعات حضرت کی سوانح حیات سے بالکل منسلک اور وابستہ ہیں اور اسی لئے کتاب میں اُس دور کی تاریخ اور قدیم ناسک کے حالات تحریر کئے گئے ہیں تاکہ قدیم ناسک کے باشندگان کی آبادی اور ان کے دین و مذہب پر پوری روشنی ڈالی جا سکے۔ ناسک کے عمارات و آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے صاحبان کو کتاب کے مطالعہ سے ضرور استفادہ حاصل ہوگا۔ ناسک میں حضرت کی آمد

سے قبل اسلام کی روشنی کامل طور پر پہنچ نہیں پائی تھی۔ آپ نے اس تاریک بستی میں تبلیغ اسلام کا کام نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ قدیم ناسک کے واقعات و تاریخی حالات کو قلم زد نہ کرتے ہوئے قلم بند کیئے جائیں۔ کتاب ھٰذا کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے :

باب پہلا :- حضرت سیّد شاہ محمّد صادق سرمست حسینی رح کی آمد، اشاعت اسلام کی کارگذاری، آپ کی زوجہ محترمہ، چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی اور آپ کے محترم والد بزرگوار، پیر و مرشد اور خلیفہ وغیرہ کا تذکرہ۔

باب دوسرا :- حضرت کی بابت ماضی و حال کے مصنفوں کی تحریریں، حضرت اور ان کے صاحبزادوں کا جن ہستیوں سے تعلق رہا ان کا بیان، شاہ جہاں کا حضرت سے آگرہ کو جانا اور وہاں پر ان کی تاجپوشی۔

باب تیسرا :- حضرت کی کرامات و پیشین گوئیاں، جاگیر و انعامات، لفظ "سرمست" کی تشریح، حضرت اور ان کی اولاد کا شجرۂ مبارک، اور حضرت کے فرزندان اور شاہ جہاں، نظام الملک، سردار ملک عنبر وغیرہ کے بیعت کا شجرہ۔

باب چوتھا :- حضرت کے صندل اور عرس شریف اور احاطۂ درگاہ شریف کا بیان۔

باب پانچواں :- حضرت کے خاندان کی چند ہستیوں کی تصانیف اور ان کی مختصراً سوانح عمری۔

باب چھٹا :- ناسک اور ناسک کے قرب و جوار کے دیگر ولی اللہ و مجذوب کے حالات۔

مؤلف کی کئی برسوں سے دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے جدِ امجد حضرت شاہ محمّد صادق سرمست حسینی رح کی سوانح حیات تحریر کر کے حقِ فرزندی ادا کرے لیکن ۳۲ سال سرکاری ملازمت کے طویل عرصے میں قلیل الفرصتی کے باعث اس قرض کو ادا کرنے سے

مجبور رہا۔ جونہی ملازمت سے سبکدوشی پائی فوراً اپنے فرض کی طرف رجوع ہوا اور متواتر دس سال تک ضروری کتابوں کی فراہمی، ان کا مطالعہ و دیگر تحقیق و تفتیش کے بعد کتاب "گلشنِ صادق" کو مبالغہ آمیز و دقیق اردو اور فصیح و بلیغ عبارتوں سے دور رکھتے ہوئے سلیس اردو میں شائع کی تاکہ عام لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کتاب کی تصنیف میں جن حضرات نے میری حوصلہ افزائی کی اور بار بار مجھے پرخلوص امداد و مشوروں سے نوازا ان کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ ان کے نام گرامی ہیں: میرے مرحوم حقیقی بھائی میر نثار علی پیرزادہ، میرے بہنوئی قاضی مظہر القدوس المعروف قاضی سعید ابن الحاج قاضی سراج الدین بی۔اے آنرس، میرے عزیز دوست عبداللطیف عثمان غنی انصاری حسنی صدر مدرس اردو اسکول ناسک، جناب عبدالستار دلوی صاحب، پی ایچ ڈی، ڈائرکٹر مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر بمبئی، جنہوں نے اپنے ریسرچ سنٹر سے کتاب "میریجنگ آف اسلام" مجھ کو مطالعہ کے لئے عنایت فرمائی۔ اس کتاب کی مجھے برسوں سے جستجو تھی۔ اس کتاب کو حاصل کرنے کیلئے میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے مشہور کتب فروشوں سے برسوں متعدد کتابت کی، لیکن یہ کتاب مجھ کو حاصل نہ ہو سکی۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ جناب دلوی صاحب نے یہ کتاب مجھ کو مہیا فرمادی گویا انھوں نے نابینا کو بینائی دی یا پیاسے کی پیاس بجھائی۔ ان کا بھی میں بہت بہت ممنون و مشکور ہوں۔

میر وارث علی ابن میر ہدایت علی پیرزادہ
گلشن آبادی (ناسک)

گذارش

عموماً جب کسی بزرگ دین یا اہل اللہ کی سوانح حیات قلمبند کیجاتی ہے تو اس بزرگ ہستی کی زندگی کے حالات، ولادت تا وصال تفصیل کے ساتھ تحریر کیئے جاتے ہیں۔ ان کی سوانح حیات کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے حالات یا مضمون کو قلم بند نہیں کیا جاتا۔ لیکن کتاب "گلشنِ صادق" جو فی الوقت آپ کے ہاتھ میں ہے اور جس کا آپ مطالعہ فرما رہے ہیں اس میں آپ ایک انوکھی بات پائیں گے اور وہ بات یہ ہے کہ حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ کی سوانح حیات کے ساتھ ان کے زمانے کی متعلقہ تاریخِ دکن بھی قلمبند کر دی گئی ہے۔ اس تاریخ کی شمولیت عمداً اس وجہ سے کی گئی ہے کہ حضرت کے زمانے کے واقعات کا اصل تاریخ سے میل ظاہر ہو جائے۔ اس سلسلے میں تاریخی حوالوں سے کام لیا گیا ہے تاکہ قارئین حقیقت سے روشناس بھی ہو جائیں، واقعات کی تصدیق بھی ہو جائے اور مطالعہ کے بعد شک و شبہ کی گنجائش بھی نہ رہے۔

دکن کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی آمد سے تقریباً پچاس سال بیشتر ناسک میں دو بزرگ ہستیاں، ایک خواجہ خمیر حسینی اور دوسری علی ادروس باشیبان نے اشاعتِ اسلام کا کام کیا۔ لیکن ظاہر یوں ہوتا ہے کہ ان دونوں کو یہاں کی فضا راس نہ آئی اور وہ اشاعت کے کام کو حسبِ خواہش انجام نہ دے سکے۔ لہٰذا ان دونوں حضرات نے ناسک کو خیر باد کہا۔ خواجہ خمیر حسینی گلبرگہ تشریف لے گئے اور علی ادروس باشیبان ناسک چھوڑ کر کہاں گئے اب تک

تحقیق طلب ہے۔ یہ مشیت خداوندی تھی کہ ناسک میں اشاعت کا کام حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی رح کے سپرد کیا جاتا۔ چنانچہ آپ کو مدینہ شریف میں پیغمبر اسلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ہوئی کہ آپ مدینہ سے کوچ کریں اور داعئ اسلام بن کر ہندوستان کا رُخ کریں۔ اور اپنے متعین مقام ناسک میں قدم رنجہ فرمائیں پس آپ نے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ، دولت آباد اور دکن وغیرہ کی سالہا سال سیر و سیاحت کی اور سینکڑوں میلوں کا دور دراز سفر طے کیا۔ اثناء سفر بہت سے مشائخین الوقت اور بزرگانِ عصر سے فیوضِ باطنی حاصل کیا۔ پاداگڑھ (گجرات) میں آپ نے شاہ سیّدعلی سرمست سے نعمتِ شطاریہ اور مداریہ پائی۔ اور یہیں پر آپ کو اپنے پیرو مرشد (شاہ سیّدعلی) سے سرمست کا خطاب عطا ہوا اثناء سفر اور قیام ناسک کے دوران جو حکم تبلیغ کا لائے تھے اس کو بہت اچھی طرح اور پوری کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ اسی وجہ سے مبلغینِ اسلام میں آپ کا نام سرِ فہرست لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حوالوں کے ساتھ ساتھ شہنشاہ عالمگیر اور شہنشاہ شاہ عالم نے حضرت کو انعامات کے لئے جو اسناد اجراء کیے اور حضرت کے خاندان اور مریدی سلسلے کے وہ شجرے جن کو آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے، ان تمام نایاب دستاویزوں کی بامُہر صحیح نقلیں کتاب میں درج کر دی گئی ہیں۔ تاکہ ان اسناد و اشجار کے مطالعے کے بعد قارئین کو حضرت کے زمانے کے حالات اور حقیقت سے پوری آگاہی ہو جائے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ قارئین کو ان اسناد و اشجار کا مطالعہ بار گراں نہ ہوگا بلکہ انکے مطالعہ سے انکی معلومات میں مزید اضافہ ہوگا۔ آپ پیش لفظ، عرض داشت" "دیباچۂ مصنف" اور "گذارش" پڑھ چکے ہیں اور حمد و نعت شریف کے بعد حضرت کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں۔

مؤلف

حمد

حمد بے حد اس خدائے پاک کو
نورِ ایماں جس نے بخشا خاک کو

خداوند تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف و توصیف لاتعداد و لامحدود ہے اور اس کی حمد کو دائرہ تحریر میں لانے کی نوکِ قلم میں طاقت نہیں۔ کلام مجید کی آیتوں میں خداوند کریم خود ارشاد فرماتا ہے: "وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ" (پارہ ۲۱۔ سورہ لقمان۔ رکوع ۱۲۔ آیت ۲۷) ترجمہ یعنی اگر تمام زمین کے شجر قلم بن جاویں اور سمندر کے ساتھ سات سمندر اور مل جاویں پھر بھی رب کے کلمات یعنی صفات تمام نہ ہوں۔ اور دوسری آیت شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

"قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝" (پارہ ۱۶۔ سورہ کہف۔ رکوع ۱۲۔ آیت ۱۰۸) ترجمہ: کہدو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے خواہ ویسا ایک اور سمندر اس کی مدد کو ہم پیدا کر دیں۔

مندرجہ بالا آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بندہ اپنے رب کی حمد و ثنا گر ساری عمر بھی قلمبند کرتا رہے تب بھی اس کی مجموعی ذات و صفات کی تعریف

ایک ذرّے کے برابر بھی تحریر نہیں کر سکتا۔ اس کائنات میں خداوند قدوس کی قدرت اہل اللہ اور اہلِ نظر کو ہر شئے میں نظر آتی ہے۔ اور ان کو ہر جگہ تو ہی تو نظر آتا ہے کعبہ میں تو، بت خانہ میں تو، مسجد میں تو، مندر میں تو، ہر گھر میں تو، ہر در میں تو، ہر گلی میں تو، ہر خار میں تو، دار بھی تو، منصور بھی تو، خم بھی تو خمار بھی تو، شاہد بھی تو، مشہود بھی تو، ساجد بھی تو، مسجود بھی تو۔ الغرض خدائے پاک کی ذات اور صفات کا بیان لاانتہا و لامحدود ہے اور اگرچہ انسان کو خداوند تعالیٰ کئی عمریں یک لخت عطا فرمادیں اور انسان ان عطا کردہ تمام عمروں کا پورا وقت صرف اس کی قدرت و ذات و صفات کا بیان لکھنے میں صَرف کرے تب بھی وہ اپنے خداوند تعالیٰ کی حمد ایک شمہ برابر بھی تحریر نہیں کر سکتا۔

نعتِ رسول و منقبتِ بزرگانِ دین

(کلام نعتیہ از مرحوم سید بشیر الدین احمد پیرزادہ)

یا نبی میں جو ترے در کا گدا بن جاؤں
شاہ کیا چیز ہے شاہوں سے سوا بن جاؤں

ذاتِ احمد بھی کریم اور احد بھی ہے کریم
دونوں فرمائیں کرم مجھ تو کیا بن جاؤں

شاہ طیبہ کی کشش پر ہے مری تو و حیات
خضر کہتے ہیں کہ چل راہ نما بن جاؤں

کر لیا حق نے تمہیں چاہ سے محبوب اپنا
کس طرح چاہنے والا میں ترا بن جاؤں

طائرِ روحِ مرا قیدِ ہوس میں ہے بشیر
ٹوٹے زنجیر گلے کی تو ھُما بن جاؤں

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

بعد حمد پاک اور نعت رسول منقبت بزرگانِ دین و اولیاء کرام کی شان میں اپنی بساط کے مطابق مختصر تذکرہ لازم و ضرور ہے۔ خداوند قدوس نے ہر پیغمبر کو الگ الگ خوبی اور صفت عطا فرمائی ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت، حضرت نوح علیہ السلام کو شجاعت، حضرت شعیب علیہ السلام کو معرفت، حضرت یعقوب علیہ السلام کو بشارت، حضرت ادریس علیہ السلام کو عبادت، حضرت ایوب علیہ السلام کو صبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رضا، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایثار، حضرت یوسف علیہ السلام کو حُسن، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دم کی خوبیاں عطا فرمائیں لیکن ہمارے پیغمبرِ اسلام اور خاتم النبیین و ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو منجملہ خوبیوں اور صفات سے سرفراز کیا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام خوبیوں کے حامل ہیں اور ان کا درجہ و مرتبہ کل پیغمبروں میں بالا و برتر ہے۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزِ دیگری

یا صاحب الجمال تو یا سید البشر
بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر

مندرجہ بالا اشعار بتاتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وقار اور مرتبہ دیگر پیغمبروں سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔

پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ غور فرمائیں:

پارہ ۹۔ سورہ قال الملا۔ آیت ۱۴۲

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ: "پس جب موسیٰ ہمارے وعدہ پر آیا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں تو موسیٰ نے کہا اے رب تو مجھے اپنے تئیں دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تو مجھے دیکھ لے گا۔ پس جب اس کے رب نے نور کا چمکارا پہاڑ کو دکھایا تو اس کو توڑ کر رکھ دیا اور موسیٰ دھمکے کے زور سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پس جب موسیٰ ہوش میں آیا تو کہنے لگا تیری ذات پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔"

یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ

کہلائے۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس سے درخواست کی کہ وہ اپنا جلوہ انھیں دکھا دے۔ باری تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ تم ہمارے جلوہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ بہرحال سامنے کے پہاڑ پر نظر کرو کہ میں اپنے نور کا پرتو تم کو دکھا دوں۔ اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ لوگے۔ لیکن جب خدا وند قدوس نے اپنا ذرا سا نور کا پرتو پہاڑ پر ڈالا تو پہاڑ چورا چورا ہو گیا اور موسیٰ پہاڑ کے دھماکے سے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے انھیں ہوش میں لایا۔ حواس قائم ہوئے تو پکار اٹھے تیری ذات پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

طور پر موسیٰ تمہیں جلوہ دکھایا کون تھا
بے خودی سے ہوش میں پھر تم کو لایا کون تھا

بشیر گلشن آبادی

تو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کا جلوہ دیکھنے کی خود خواہش کی تھی۔

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے، ان کا بلانا اور ہے

لیکن معراج کی شب کو ہمارے سرور کائنات رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش خود باری تعالیٰ نے کی ہے اور سر لامکاں [illegible] فرما کر حضرت جبرئیل ؑ کو مع براق اس دنیا میں نازل فرمایا اور اسی شب کل پیغمبروں پر ارشاد ہوا کہ وہ اپنے اپنے فلک پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور خیر مقدم کریں۔ چنانچہ حضرت پیغمبر علیہ السلام براقِ نبوی پر سوار ہو کر جبرئیل کے ساتھ

فلک تا فلک سیر کرتے ہوئے اور ہر فلک پر پیغمبروں سے ملاقات کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہاں پر حضرت جبرئیل نے پُرخلوص عرض کی کہ اس مقام سے آگے میری رفتار نہیں، سرِمو اگر آگے بڑھ جاؤں تو میرے پَر جل جائیں گے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

پس سدرۃ المنتہیٰ سے آگے رف رف کے ذریعہ ہمارے آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرشِ اعظم پر پہنچے جہاں پر عبد و معبود ایک دوسرے کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور عرشِ اعظم پر سرورِ کائنات نے بارِ تعالیٰ کی ذات کا جلوہ مسکراتے ہوئے اور اپنا ہوش قائم رکھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند بے ہوش ہو کر گر نہیں پڑے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسّمی

ترجمہ: حضرت موسیٰ صرف ذرا سی پرتوِ نورِ خدا دیکھنے سے بے ہوش ہو کر گر پڑے لیکن ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پرتوِ نور ہی نہیں دیکھا بلکہ خدا وند قدوس کا پورا جلوہ مسکراتے ہوئے اور اپنا ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے دیکھا۔ یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوقیت حضرت موسیٰ سے کہیں درجہ اونچی تھی۔ یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔

تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کا ذکر غور فرمائیں:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

پارہ ۱۱۔ سورۃ یونس۔ رکوع ۶۔ آیت ۶۱

ترجمہ: سُن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہے اور ان کو نہ ڈر اور غم ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہے۔ اس عالم اجسام میں بعض جسم محتاج ہیں اور بعض محتاجٌ الیہ۔ یعنی بعض فیض لینے والے ہیں اور بعض فیض دینے والے۔ آفتاب اور روشنی فیض دینے والے ہیں، زمین اور اس پر ہری بھری کھیتیاں اور باغات فیض لینے والے ہیں۔ اسی طرح عالم روحانیات میں انبیاء کرام اور ان کے ذریعے سے علماء و مشائخ دین و اولیاء کرام فیض دینے والے ہیں اور سارا عالم ان کے فیض کا حاجت مند ہے۔

چونکہ ذاتش ہست محتاجٌ الیہ
زاں سبب فرمود حق صلّوا علیہ

جیسے دنیا کو بارش و آفتاب کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اولیاء اور علماء کی بھی دنیا میں سخت ضرورت ہے۔ حضور سرورِ کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ علمائے دین بارش نبوت کے تالاب ہیں اور انھیں تالابوں سے ہم محتاج لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض حاصل کیا کرتے ہیں۔ انبیاء کرام خلق کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے تشریف لائے ہیں اور سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد یہی کام دو گروہوں کے سپرد ہوا۔ ظاہری اصلاح علمائے دین کے ذمّے دی گئی، اور باطنی صفائی اولیاء اللہ کے سپرد ہوئی۔ ہمارا یہ ٹھوس عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم آخری النبی اور ختم المرسلین ہیں۔ ان کے بعد اب کوئی رسول یا نبی معبوث ہونے والا نہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تا قیامت قائم رہے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ نبوّت کے سارے کام انجام پاتے

وہ ہیں اور اس کام کی انجام دہی کے لئے دونوں گروہ کا دنیا میں قیامت تک وجود رہنا لازم اور ضروری ہے۔ یعنی ایک گروہ علماء و مشائخوں کا اور دوسرا گروہ اولیاء کرام کا۔

فی زمانے ہیں نہ آیا ہے نہ آئے گا رسول
کوئی کہتا ہے کہ آیا ہے وہ کہتا ہے فضول
مؤلف

دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیم یہ ہے کہ عبد و معبود اور خالق و مخلوق میں وہ رابطہ قائم ہو جائے جو انسان کو منزلِ قربِ الٰہی تک پہنچا دے اور حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات کے لقب کا مستحق کر دے اور یہ رابطہ صرف محبت الٰہی اور اطاعت و عبادتِ الٰہی سے مل سکتا ہے اور اسی بناء پر تمام مذاہب نے تخلیق انسان کا منشا صرف عبادت قرار دیا ہے۔ اسلام تو اس نظریئے کی نہایت پر زور تائید کرتا ہے اور قرآن پاک کی آیت کریمہ اسی نظریئے کو اس طرح پیش کرتی ہے۔ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" یعنی (میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) اور عبادت کے معنی ہر مذہب نے اپنے اپنے عقیدہ میں تبدیل کر لیا ہے۔ مسلمان عبادت سے مراد روزہ و نماز اور خدمتِ والدین، پیر و مرشد وغیرہ لیتا ہے۔ ہندو اپنے دیوی کی پوجا پاٹ کو عبادت سمجھتا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کی پرستش کو عبادت تصور کرتا ہے۔ الغرض کائنات بالعموم اور انسان بالخصوص عبادت میں مصروف ہے۔ اہل اللہ اور اہل نظر کو اس کائنات میں ہر درخت کا پتہ پتہ ربّ العزت کی معرفت کا دفتر نظر آتا ہے۔ ان کو ہر ایک پتہ اپنے خالقِ حقیقی کی حمد و ثنا میں مصروف نظر آتا ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقی دفتریست معرفتِ کردگار

"اس میں کوئی شک نہیں کہ فی الحال انسان آگے بڑھ رہا ہے لیکن انسانیت پیچھے ہٹ رہی ہے۔ اس عہد کی مادہ پرستیاں، علوم و فنون، سائنس کی محیر العقول ایجادیں، ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ایٹم اور ہائیڈروجن بم، خلائی پروازیں، چاند پر پہنچنا، صنعتی اور برقی ترقیاں اور سر بفلک عمارتیں ہمارے روحانی اضطراب کو دفع نہیں کر سکتیں۔ اور ہمارے قلب کو اطمینان بہم نہیں پہنچا سکتیں۔ ہمارے اضطراب کا نسخہ اگر دستیاب ہو سکتا ہے تو صرف فقراء باصفا کے کشکول سے اور بزرگانِ دین کی خدمت اور ان کے عمل کی پیروی سے۔ لہذا ارباب زمانہ کو چاہیئے کہ اگر مشغولات دنیا سے کسی وقت فرصت پائیں تو ان بزرگانِ دین کا مطالعہ فرمائیں اور ان کے تصرفات اور کرامتوں کو جھٹلائیں نہیں۔ بلکہ ان کو نظر عقیدت سے دیکھیں اور ان پر سنجیدگی سے غور کریں۔ فی زمانہ میں چند کج فہم لوگ ایسے بھی ہیں جو انبیاء کے معجزات سے انکار کرتے ہیں اور تصرفاتِ اولیاء کو اپنی عقل و فہم اور دانش مندی کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں اور ان کے معجزات و کرامات کی بابت طرح طرح کی منطق لڑانے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ، جو انبیاء کے معجزات سے منکر اور منحرف ہیں وہ ولیوں کی کرامات کو بھلا کب خاطر میں لا سکتے ہیں؟"

ان کا یہ اعتقاد ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اور آپ جیسے بشر تھے اور اسی ہمسری پیغمبری کے باب میں محمد جلال الدین لقب اور شہرت حضرت مولانا

۱؎ مصنفہ مصطفائی بیگم خاصانِ خدا صفحہ س اور ع

رومؒ نے اپنی "مثنویِ مولانا رومؒ" میں بہت خوب فرمایا ہے:

ہم سری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

انھوں نے نبیوں کے ساتھ دعویٰ کھڑا کر دیا
اور اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ لیا۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

یہ کہا کہ ہم بھی انسان ہیں اور وہ بھی انسان ہیں
ہم اور وہ سونے اور کھانے کے پابند ہیں

این نہ دانستند ایشاں از عمیٰ
ہست فرقے درمیاں بے منتہا

اندھے پن سے وہ یہ نہ سمجھے
کہ ان دونوں میں بے انتہا فرق ہے

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب
زین یکی سرگین شد و ز آں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرنوں نے گھاس اور پانی کھایا پیا
اس ایک کا گوبر بنا اور دوسرے کا خالص مشک

این خورد گردد پلیدی زو جدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

یہ کھاتا ہے تو نجاست اس سے نکلتی ہے
اور وہ جو کچھ کھاتا ہے سب خدا کا نور بنجاتا ہے

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں
فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس طرح لاکھوں مثالیں تیرے سامنے ہیں
لیکن انہیں ستّر سالہ راہ کا فرق دکھائی دیتا ہے

لعنت اللہ این عمل را در قفا
رحمت اللہ آں عمل را در وفا

اس کام کے پیچھے اللہ کی لعنت ہے
اور اس کام میں اللہ کی رحمت شامل ہے

این نبوت نیز در بازو نیست
تا نہ بخشد خدای بخشندہ

نبوت کا بخشنا قادرِ مطلق نے اپنے قابو اور قبضہ میں رکھا ہے اور یہ سعادت جس پر اس کا کرم ہوتا ہے اسی کو عنایت کرتا ہے۔ نبوت کے حاصل کرنے کے لئے عبادت و ریاضت لازم نہیں۔ چنانچہ اس باب میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی مثال عائد

ہوتی ہے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لانے گئے اور پیغمبری دے دی

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے سسرال کے گاؤں مدین سے ان کی زوجہ اکرم صفورا (حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر کلاں) کو اپنے وطن لے جا رہے تھے، موسم سردی کا تھا اور راستے میں سردی کی وجہ سے آگ کی ضرورت ہوئی۔ آپ کو مقدس وادیٔ طویٰ پر آگ نظر آئی۔ آپ وہاں پہنچے تو وہاں پر خدا کا نور تھا۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یٰمُوْسٰی وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ

(پارہ ۱۶۔ قال الم۔ سورہ طٰہٰ۔ رکوع ۱۱۔ آیت ۴۰ اور ۴۱)

ترجمہ:۔ پھر آیا تو تقدیر سے اے موسیٰ اور بنایا میں نے تجکو خاص اپنے واسطے (پیغمبر)

اور یہی وہ عنایتِ پیغمبری تھی تو ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت بزورِ عبادت حاصل نہیں ہوئی بلکہ صرف مرضیٔ مولا سے ملی ہے۔ برعکس اس کے اس دنیا میں بہت سے لوگ انبیاء اور اولیاء کے معجزات و کرامات کے معتقد ہیں۔ یہ لوگ ذکر و حالات انبیاء و اولیاء کے مطالعے کو اپنی کج روی درست کرنے کے لئے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں اور بالیقین ان کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کر کے مستفیض ہوتے ہیں۔ اور روحانی تسکین بھی حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤلف نے اس کتاب کے آغاز میں چند بزرگانِ عظام کی کرامات اور پیر و مرشد و درویشوں کی خدمات کے ہزاروں واقعات میں سے صرف چند واقعات اہلِ عقیدت و اہلِ ذوق کے لئے تحریر کئے ہیں۔ یہ واقعات "تزک جہانگیری"، "اسرار الاولیاء"، حدیقۃ الاولیاء"، "سیر العارفین"

و "دلیل العارفین" وغیرہ نہایت پرانی معتبر اور مستند کتابوں سے اخذ کیے ہیں جن کے مطالعے سے ناظرین خود بزرگان دین اور پیر و مرشد اور درویشوں کی عظمت و احترام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بزرگانِ دین و واصلانِ حق کی شان و تعریف میں چند فارسی اشعار ملاحظہ فرمائیں:

از تاثیر قبولِ صحبت پیر	بمقبولی زمین را آسمان گیر
کہی ہم کسوتاں را گشتہ رہبر	گہی ہم صحبتاں را روح پرور
ذکر ایشاں ذکر آں یزداں بود	یاد ایشاں یاد آں سبحاں بود
ہر کہ را باشد محبت با خدا	کہ بداند واصلانش را خدا
گر تو کردی ذاتِ مرشد را قبول	ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
خاصانِ خدا خدا نہ باشد	لیکن ز خدا جدا نہ باشد

جس کسی کو قربتِ معبود حاصل کرنی ہو وہ صحبت بزرگانِ دین پہلے حاصل کرے اور ان کی اطاعت و خدمت بصدق دل و جان انجام دے۔ ان کے احکام و ارشادات پر فوراً تعمیل کرے۔ اس میں ذرا بھی تساہل و تغافل نہ برتے۔ چنانچہ اولیائے کرام اور بزرگانِ عظام کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل سلسلہ چشت کے بزرگ خواجۂ خواجگان، سلطان الہند، صاحب اسرار، قدوۃ اربابِ دین، پیشوائے اہل یقین، قطب المقربین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری رح، حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی رح، سردار احباب توحید، سر دفتر اصحاب تجرید حضرت خواجہ بابا فرید مسعود گنج شکر رح اجودھنی، سلطان المشائخ و اولیاء شیخ خواجہ نظام الدین محمد بدایونی رح، حضرت شیخ مخدوم نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی رح وغیرہ نے اپنے پیر و مرشد کی سالہا سال خدمت کی،

اوران کے نظر کرم کے باعث یہ بزرگانِ ملت فلک ولایت پر چاند اور ستارے بن کر چمکے، اوران کے آستانے آج بھی سرچشمۂ فیض و برکات ہیں۔ جہاں سے ہزاروں زائرین و نیازمند آج بھی مستفیض ہوتے ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے۔

مسلمانانِ ھند اپنے پیشوا، ھادی دین و رہبر ملت حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور پیرانِ پیر حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث صمدانی محبوب سبحانی قطب ربانی قدس سرہ عزیز کے وصال کا دن ان کی یادگار منانے کے لئے اپنے اپنے شہروں میں جلوس کے مظاہرے کرتے ہیں۔ اور اکثر ان جلوسوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ "اسلام زندہ باد" "اسلام زندہ باد" اور "ہم نہیں چھوڑیں گے غوث کا دامن"۔ "نہیں چھوڑیں گے غوث کا دامن" پر جوش اور فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور شہر کی جن گلیوں سے یہ جلوس گذرتے ہیں وہاں کی گلیاں ان نعروں سے گونج اٹھتی ہیں۔ یہ نعرے تو اپنی جگہ بہت ٹھیک ہیں اور ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ غوث پاک کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ یہ نہایت اچھی اور خوشی کی بات ہے بلکہ ان کے دامن کو اپنے ہاتھوں میں جتنی طاقت اور زور ہو اس سے محکم پکڑا جائے۔ لیکن یہ دست بستہ معروضہ ہے کہ حضرت غوث صمدانی کا دامن پکڑنے سے پیشتر ذرا اپنے دامن میں جھانک لیں، اس میں کہیں کچھ کچرا کوڑا نظر آئے تو اس کو اچھی طرح جھٹک ڈالیں اور پھر حضرت غوث الثقلین کا دامن پکڑے ہوئے ان کے نقش قدم چلنے کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کیجئے۔ ان کے قول و فعل کی تقلید کرنے کی خداوند کریم ہم سب کو توفیق نصیب کریں اور کیا عجب ہے کہ یہی تقلید اپنے کل گناہوں کو بخشنے اور نجات پانے کا باعث بن جائے۔

بزرگانِ دین اور پیرانِ عظام کے حالات و واقعات کی تحریر و تقریر یہ کار خیر و کار ثواب

میں شامل ہیں۔ اور مؤلف فسق و فجور میں معمور نے حتی الامکان کوشش کر کے رہبر دین و واصلان حق کے چند واقعات ضبطِ قلم کیے ہیں۔ اور قارئین سے پرخلوص التماس ہے کہ ناچیز کی تحریر میں گرچہ کوئی کوتاہی یا غلطی نظر آئے بجائے شکوہ و شکایت کے درگذر کریں اور مجھ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کتاب میں حسب خواہش اصلاح و ترمیم یا اضافہ کیا جاوے۔ مجھے قوی امید ہے کہ میری التماس پر قارئین حضرات ضرور عمل کریں گے اور مجھے مشکور فرمائیں گے۔ اور بعد از مطالعہ کتاب ہٰذا ناچیز کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

ہر کہ خواند دعا طلب گارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

قارئین میں سے گرچہ ایک صاحب کی بھی دعا قبول ہو جائے تو انشاء اللہ اس ناچیز سراپا تقصیر کی عاقبت سنور جائے گی۔ دعا معنی دارد۔

عجیب دعا ہے کہ جونہی زبان پر آئی
خدا نے باب اجابت فلک پہ کھول دیا

اب آپ چند بزرگانِ دین اور واصلانِ حق کے احوالات جو کہ نہایت قدیم اور مستند کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں مطالعہ فرمائیں۔

تزک جہانگیری جو شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی خود تصنیف ہے، اور جس کا ترجمہ اردو میں جناب مولوی احمد علی صاحب رامپوری نے کیا ہے۔ ایک درویش کی بابت عجیب و غریب واقعہ پیش کیا ہے، جس واقعہ کے مطالعہ سے درویشوں کی عظمت اور عشق علی اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔

"کشمیر[1] کے واقعہ نویس نے مجھے لکھا ہے کہ ملا گدائی درویش جو چالیس سال سے خانقاہ میں عبادت میں مشغول تھا اپنی وفات سے دو سال قبل اس نے خانقاہ کے متولیوں سے اپنی قبر کے لئے جگہ پسند کرنے کی اجازت مانگی جو اس کی خواہش کے مطابق دے دی گئی۔ جب وفات کے دن قریب آئے تو اس نے اپنے معتقدوں سے کہا کہ مجھے اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم ملا ہے کہ اپنی جان اس کے سپرد کر کے دوسری دنیا میں چلا جاؤں۔ اس کے دوستوں نے یہ سن کر تعجب کیا کہ یہ بات کیسے تسلیم کی جا سکتی ہے جب کہ پیغمبروں کو بھی اپنی وفات کا علم نہیں ہوتا، لیکن اس نے دوبارہ یہی کہا کہ اسے اسی طرح کا حکم ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک معتقد سے کہا کہ میرا قرآن شریف جو سات سو ٹنکے کی قیمت کا ہے فروخت کر کے اس رقم سے اس کی تجہیز و تکفین کرے اور خبر لینے کیلئے جمعہ کی اذان سن کر آئے۔ کیوں کہ یہ ساری باتیں اس نے جمعرات کے روز کہی تھیں۔ بعد ازاں اس نے اپنے حجرے کا سارا سامان اپنے دوستوں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا اور عصر کے وقت غسل کر کے لباس تبدیل کیا اور حجرہ میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے دن نماز جمعہ کی اذان سن کر وہی معتقد خانقاہ میں ملا گدائی کی خیریت معلوم کرنے کے لئے آیا تو دیکھا کہ ایک خادم حجرہ کے باہر بیٹھا ہے

---

[1] شہنشاہ نور الدین جہانگیر (فارسی) } تزکِ جہانگیری ۱۸۳ - ۱۸۴
مترجم جناب مولوی احمد علی رامپوری

اور حجرے کا دروازہ بند ہے۔ معلوم کرنے پر اُس نے بتایا کہ درویش نے تاکید کی ہے کہ جب تک حجرے کا دروازہ خود بخود نہ کھلے اندر داخل مت ہونا۔ چنانچہ یہ سن کر معتقد بھی اُس خادم کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ خود بخود کھل گیا اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ درویش دو زانو قبلہ رُخ بیٹھا ہے اور اس کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔"

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسرار الاولیاء سخن در تعظیم پیر: حضرت شیخ فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے درویش مرید کو چاہیئے کہ جو کچھ بھی فرمان پیر مطلق نے کیا ہو، اس کی تعمیل دل وجان سے کرنی چاہیئے اور اس باب میں خواجہ قطب الدین سے دریافت کیا گیا کہ پیر کا حق مُرید پر کتنا ہوتا ہے؟ جواب ملا کہ اگرچہ ساری عمر مرید راہ حج میں اپنے پیر کا سامان سفر سر پر رکھ کر لے جاوے تب بھی حق پیر پورا ادا نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ اے درویش میں نے خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہٗ عزیز کے ساتھ بیس سال مسافری کی اور ہر حال میں ان کے ساتھ رہا۔ ایک بار ہم ایک بیابان میں پہنچے، وہ بیابان ایسا تھا جہاں پرندہ نے اپنا پر نہ مارا تھا۔ اور حضرت شیخ معین الدین رحمتہ اللہ کی خدمت میں یہاں تین رات و دن گذارا کیا۔ اور سُنا کہ اس بیابان میں قریب ایک پہاڑ ہے جس میں ایک بزرگ ہستی کا قیام ہے خواجہ

ف۱ مولوی بدر اسحاق   اسرار الاولیاء   صفحہ ۹۱

معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے طلب فرمایا اور دو گرم ٹکیاں (روٹی) اپنے مصلے کے نیچے سے نکال کر مجھ کو دیں اور فرمایا کہ جاؤ، میرا سلام اس بزرگ کو پہنچا دو اور یہ ٹکیاں ان کو دے کر واپس چلے آؤ۔ چنانچہ میں اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پہنچانے کے بعد دہ ٹکیاں ان کی پیش نظر کیں جس میں سے انھوں نے ایک ٹکیہ مجھکو دی اور دوسری ٹکیہ اپنے افطار کے لئے رکھ لی۔ اور اپنا ہاتھ مصلے کے نیچے ڈالا اور مصلے کے نیچے سے چار کھجوریں نکال کر مجھکو دیں۔ اور فرمایا کہ ان کو حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دینا۔ چنانچہ میں واپس آیا اور بحکم بزرگ میں نے چاروں کھجوریں حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیں۔ جن کو پا کر حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ از حد خوش ہوئے اور بعد میں فرمایا کہ اے درویش پیر کا فرمان گویا فرمانِ رسول علیہ السلام ہوتا ہے اور جو کوئی مرید پیر کے حکم کی تعمیل کرتا ہے گویا رسول کریم کے فرمان کی اطاعت کرتا ہے۔[۱]

یک زمانی صحبتِ با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
پیراں بخاک یک نظر قش کیمیا کنند
سگ را ولی کنند مگس را ہما کنند

حدائق الاولیاء۔ صفحہ ۳۲۔ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[۱] مفتی غلام سرور صاحب لاہوری حدائق الاولیاء صفحہ ۳۲-۳۳

خرقۂ خلافت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی سے پایا اور حضرت نے سیر بھی بہت کی، اور سفر میں بہت سے بزرگوں سے فیضِ باطن پایا۔ بعد حصول خرقۂ خلافت حضرت نے شہر ہانسی میں سکونت اختیار کی۔ اور پھر اجودھن میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت کے خوارق و کرامات ہزاروں ہیں جو کتب تواریخ میں درج ہیں جن کا ذکر شائقین خزینۃ الاصفیا میں دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ یہاں پر ان کی ایک کرامت کا ذکر لکھا جاتا ہے کہ حضرت نے ایک قطعہ زمین ایک شخص سے شمول خانقاہ کے لئے قیمت دیکر خریدا۔ چند ماہ کے بعد ایک اور دعویدار اس زمین کا پیدا ہوا اور اس نے استغاثہ اس دعوے کا دیپالپور میں جا کر حاکمِ شاہی کے روبرو پیش کیا۔ وہاں سے حضرت کو اصالتاً یا وکالتاً طلبی ہوئی۔ حضرت نے ایک خادم کو جوابدہی کے واسطے بھیجا۔ پھر گواہ طلب ہوئے جن سے زمین ملکیت بائع کی ثابت ہو حضرت نے حاکم کے بار بار تقاضے سے تنگ آکر فرمایا۔ اس گردن لوٹے کو کہدو کہ خود آکر زمین سے پوچھ لے۔ اگر زمین گواہی نہ دے گی تو ہم گواہ پیش کریں گے۔ حاکم یہ بات سن کر بکمال متعجب ہوا اور کہا کہ اچھا ہم چلتے ہیں۔ اگر زمین نہ بولی تو فرید اس بات کی سخت سزا پاوے گا۔ پس حاکم خود سوار ہو کر آیا اور ہزاروں لوگ دیکھنے والے جمع ہوئے۔ جب مجمع ہو چکا تو اول مدعی کو حکم ہوا کہ وہ زمین سے اپنی ملکیت کا سوال کرے۔ چنانچہ اس کے سوال پر زمین نے کچھ آواز نہ دی۔ پھر حضرت کی طرف سے ایک خادم نے زمین سے پوچھا کہ تو کس کی ملکیت ہے؟ زمین سے آواز ہوئی کہ میں اس کی ملکیت تھی جس نے فرید کے پاس مجھکو فروخت کیا اور اب ملکیت خواجہ فرید کی

ہوں۔ یہ بات سُن کر حاکم حیرت میں آیا اور مدعی کو سخت سزا دی۔ بعد فیصلے کے
جب وہاں سے چلا تو گھوڑے سے نے ناحق لیا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا اس
وقت اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔

سیر العارفین صفحہ ۸۲۔ سیر العارفین[1] میں تحریر ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین
محمود چراغ دہلوی اودھی قدس سرہ عزیز کہتے ہیں حضرت نظام الدین رحؒ کے
مریدوں میں سے ایک مرید نے حضرت سے محفلِ سماع کی اجازت چاہی، اور
قوالوں کو حاضر کیا۔ اور اس محفل کے لئے طعام کا بھی انتظام کیا جب محفل
سماع شروع ہوئی تو آواز سُن کر اطراف و اکناف کے ہزاروں آدمی محفل
میں آکر قوالی میں شریک ہوئے۔ صاحبِ طعام نے پچاس یا ساٹھ آدمیوں کو
کھانا میسر آنے صرف اتنا کھانا پکوایا تھا۔ اور محفل میں ہزاروں آدمیوں کا
اژدہام دیکھ کر متحیر اور متفکر ہوا۔ اور سوچ میں غرق ہوا۔ مرید کو متفکر دیکھ
کر حضرت نے سبب پوچھا اور اپنے خادم مبشر کو طلب کیا اور حکم دیا کہ
خلقِ خدا کے ہاتھ دھلواؤ اور ان میں سے دس دس آدمیوں کو ایک جگہ بٹھاؤ،
اور جو روٹیاں حاضر ہیں ان کے چار چار ٹکڑے کر کے خوانوں میں رکھ دیا
جائے اور بسم اللہ شریف پڑھ کر کھانا شروع کریں۔ چنانچہ خادم نے حکم
کی تعمیل کی۔ اور تمام حاضرینِ مجلس کو اس طرح بٹھا کر کھانا شروع
کر دیا گیا۔ تمام محفل اتنے کم سیر ہو گئی پھر بھی کھانا باقی رہا۔"

---

[1] حامد بن فضل اللہ جمالی (فارسی) } سیر العارفین صفحہ ۸۲
مترجم محمد ایوب قادری

دلیل العارفین۔ صفحہ ۳۲ تا ۳۹ ؎۔ دلیل العارفین مجلس پنجم میں تحریر ہے کہ شیخ جلال الدین اور شیخ علی سنجری اور شیخ محمد اوحد چشتی اور دیگر بزرگانِ دین خدمت میں حاضر تھے اور اس بابت مجلس میں گفتگو ہو رہی تھی کہ پانچ چیزوں کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ وہ پانچ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں۔ اوّل اولاد نے ماں باپ کا منہ دیکھنا۔ دوم کلام اللہ کی طرف دیکھنا، سوم علماء و مشائخ کی طرف دیکھنا، چہارم خانۂ کعبہ کی طرف دیکھنا اور پنجم اپنے پیر و مرشد کی طرف دیکھنا۔ پیر و مرشد اور بزرگانِ دین کی عظمت و مرتبہ کا مزید بیان فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ جو کچھ زبانِ پیر سے سنے اس پر بہت ہوش کے ساتھ کان دھرے اور جو نماز یا ورد یا وظیفہ وغیرہ پیر ارشاد فرما دے اس کو ضرور عمل میں لاوے اور اکثر متواتر پیر کے حضوری میں حاضر ہووے اور خدمت واجبی کرے اور اگرچہ متواتر حاضر ہونا ممکن یا میسر نہ ہو تو اس میں کوشش کرے۔ اس کے بعد اسی محل میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک وقت ایک زاہد تھے کہ سو برس تک خدائے عزوجل کی عبادت کرتے رہے۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کو تمام رات قیام کرتے۔ غرضیکہ ایک گھڑی اور ایک لحظہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت سے خالی نہیں رہتے۔ اگر کوئی ان کے پاس آتا تو اس کو پند و نصیحت کرتے اور آنے جانے والوں سے یہ کہتے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ

---

۵۶ حضرت خواجہ بختیار کاکی (فارسی) مترجم مولانا فضل اللہ بن مولانا الحاج محمد عبداللہ } دلیل العارفین صفحہ ۳۲ تا ۳۹

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝ " ترجمہ (ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے) یعنی اے بندو! خدائے تعالیٰ نے ہم کو اور تم کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے نہ کھانے پینے یا کہ عبادت سے غافل رہنے کے لئے سوائے مسلمانو! ہم پر واجب ہے کہ سوائے طاعت اور عبادت کے اور کسی کام میں ہرگز ہاتھ نہ ڈالو۔ الغرض جب ان زاہد نے انتقال فرمایا تو ان کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور ان سے سوال کیا کہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو بخش دیا۔ پھر لوگوں نے پوچھا "یہ مغفرت کس کام کی بدولت نصیب ہوئی؟ فرمایا کہ جتنے اعمال کہ میں نے کئے تھے! کہ رات دن بیدار رہا اور کسی وقت اپنے تئیں آسائش نہیں دی۔ یہ سب اعمال مطلق پسند نہیں ہوئے فقط بخشش کا سبب اپنے پیر کی خدمت کرنا ہے، حکم ہوا تو نے جو اپنے پیر کی خدمت میں قصور نہیں کیا یہ کام تیرا ہم کو پسند آیا، لہذا ہم نے تجھے بخش دیا۔"

درویشوں کی بابت حال کے زمانے میں ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔

حضرت قمر علی شاہ درویش کا مزار سیوا پور میں ہے۔ سیوا پور پونہ ستارہ روڈ پر پونہ سے ۱۹ میل، فاصلے پر ہے۔ مذکورہ بزرگ کے درگاہ شریف میں پتھر کی دو گوٹیاں ہیں۔ ایک گوٹی تقریباً ایک من کی اور دوسری ½ ۱ من کی۔ زائرین میں سے سات آدمی مل کر چھوٹی گوٹی اٹھاتے ہیں اور بڑی گوٹی گیارہ آدمی اٹھاتے ہیں۔ گوٹی کو اٹھاتے وقت ہر ایک آدمی صرف اپنی کلمہ کی انگلی گوٹی کو نیچے سے سہارا دیتے ہوئے اٹھاتے ہیں۔ اور کل ساتوں آدمی ایک ساتھ بلند آواز میں نعرہ لگاتے ہیں "یا قمر علی شاہ درویش" جب تک یہ نعرہ کی آواز جاری رہے تب تک یہ گوٹی صرف انگلیوں

کے سہارے زمین سے اوپر اٹھتی چلی جاتی ہے اور تقریباً قدِ آدم تک اٹھتی ہے۔ جونہی نعرہ کی آواز ٹوٹ جاتی ہے گوٹی زمین پر گر جاتی ہے۔ سات آدمیوں کی صرف انگلیوں کے سہارے ایک من وزن کا پتھر قدِ آدم تک اٹھ جانا قرینِ قیاس اور اعتبار سے باہر ہے لیکن یہ کرامت قمر علی شاہ درویش کی ہنوز جاری ہے۔ مؤلف نے خود اس پتھر کو دیگر چھ آدمیوں کے ساتھ اٹھایا ہے اور چشم دید واقعہ تحریر کیا ہے۔ جس کسی کو آزمائش کرنا ہو وہ مزارِ مبارک کی زیارت کر کے اس بات کا خود اطمینان کر سکتا ہے۔ اہلِ سلوک میں جب درویشوں کا یہ حال ہے تو اولیاءِ کرام اور بزرگانِ دین کا مرتبہ اور وقار کیا ہوگا، ناظرین خود اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بیا بدرگہ پاکاں کہ یابی صدوقارا اینجا
زراینجا دولت اینجا حشمت اینجا افتخار اینجا

ترجمہ

آیئے بزرگانِ دین کی درگاہوں سے آپ کو
قدر و منزلت، سونا، دولت، عظمت اور افتخار حاصل ہوگا

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد ایں جا شُد تمام

ترجمہ

عقیدت مندوں کے لئے مزار شریف کعبہ کی جگہ ہوتا ہے
یہاں نامکمل عقیدت مند بھی آئے تو وہ کامل بن کر جاتا ہے

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

ترجمہ

دنیا میں کتنی بھی تیزی سے آندھی چلے
تب بھی اللہ کے برگزیدوں کا چراغ اس
آندھی سے خاموش نہیں ہوتا

○

اولیاراہست قدرت ازالٰہ
تیرجستہ باز گرداندز راہ

ترجمہ

اللہ نے اپنے ولیوں کو وہ طاقت عطا
فرمائی ہے کہ کمان سے چھوٹا ہوا تیر بھی
راستہ سے واپس لوٹا سکتے ہیں

چلو اے تشنگانِ معرفت سیراب ہوچکیں
رواں ہے فیض کا دریا شہِ صادق حسینی کا

یہ مدرسہ ہے کوئی میکدہ نہیں ساقی،
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

درِ مرشد درِ کعبہ سے سوا ہوتا ہے
سر کو خم کرتے ہیں اس جا پہ اطاعت والے

میں سمجھتا ہوں وہ خوش بخت ہے دنیا میں بشیر
اولیا پشت پہ جس کی ہیں حمایت والے

باب پہلا

حضرت سید شاہ محمد صادق حسینی سرمست رحؒ کی آمد اور اشاعتِ اسلام کی کارگذاری، آپ کی زوجہ محترمہ، اولاد، والد ماجد، مرشد و خلیفہ کا تذکرہ

ناسک شہر کی مختصر قدیم وجدید مذہبی اور تاریخی معلومات کے بعد اس کتاب کا اصلی مرتب کا مقصد اب قید قلم میں لایا جاتا ہے یعنے کہ حضرت سید محمد صادق شاہ حسینی سرمست مدنی قدس سرہٗ عزیز کی ناسک میں تشریف آوری اور انکی سوانح حیات۔

حضرت کی تشریف آوری کی بابت مؤلف کے خالو خادم السادات والفقراء سید بشیر الدین احمد ذاکر اولیاء کرام نقوی الحسینی حنفی سنّی قادری چشتی پیرزادہ گلشن آبادی نے "گلزارِ صادق" اور "صبح صادق" میں نہایت تفصیل اور خوش اسلوبی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ جس کا اقتباس مندرجۂ ذیل میں ناظرین کے پیشِ نظر کیا جاتا ہے:

"بحکم[له] اشارت غیبی و اجازت پیر حق بغرض اشاعت اسلام آپ دکن میں تشریف لائے ہیں۔ اس وقت یہاں کفر و شرک کا بازار گرم تھا آپ کا نام مبلغینِ اسلام کی فہرست میں پروفیسر آرنالڈ صاحب نے اپنی کتاب

[له] مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — گلزار صادق صفحہ ۱۲-۱۳
صبح صادق صفحہ ۶-۷

" پرچنگ آف اسلام" میں بتایا ہے۔ نیز رسالہ نظام المشائخ مطبوعہ شوال سنہ ۱۳۲۹ھ کے مضمون اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں مولوی سعید احمد صاحب مارہروی نے آپ کو مبلغین اسلام میں لکھا ہے۔ اسی طرح آپ کے حالات کنز الانساب و گلزارِ شمسی میں مندرج ہیں۔ آپ ساداتِ نقویہ سے ہیں۔ چنانچہ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

سید صادق حسینی بن سید امین الدین عرف شیر محمد حسینی بن سید علی اسد اللہ بن سید احمد راجو بن سید اسد اللہ بن سید محمد راجو بن سید امین الدین بن سید صفی ہمدانی بن سید محمد بن سید احمد اصغر بن سید علی اصغر بن حسین عسکری بن سید امام علی نقی عسکری رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ مدینہ میں تولد ہوئے۔ سن شعور میں اپنے والد بزرگوار سید امین الدین عرف شیر محمد مدنی سے تعلیم و تربیت پائی اور نعمتِ خرقہ قادریہ حاصل کی۔ چالیس سال والدِ ماجد کی خدمت میں رہے۔ بشبانہ روز اشغال و افکار میں مصروف رہے۔ بعد وصال اپنے والد مدینہ طیبہ سے اذن و وداع لیا اور ہندوستان پہونچ کر دہلی، ملتان، سندھ، گجرات، برہان پور کی سیر و سیاحت کی۔ دشت و بیابان میں سیر کرتے رہے۔ حالتِ جذب میں مستانہ وار زمین نا پی، ویرانوں کو پسند فرماتے رہے۔ صبر و رضا کے میدان میں ثابت قدم رہے۔ قناعت و توکل کی حبل المتین کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ملک دکن میں رہ کر سالہا قلعہ دولت آباد میں ریاضت و چلہ کشی فرمائی۔ چھ مہینے مقام کر نج میں ریاضت شاقہ کھینچی۔ اور روزے طے کے رکھتے بیدر، بیجاپور، اُدگیر، ملکھیڑ، برہان پور وغیرہ مقامات میں گوشہ نشین رہے

اکثر شیوخانِ کرام اور بزرگانِ عظام سے فیوضاتِ باطنی اخذ کرتے رہے،
چنانچہ مخدوم عمر مختار اللہ بال چشتی قدس سرہٗ عزیز جو خلیفہ اکمل حضرت
مخدوم خواجہ موذن چشتی قدس سرہٗ عزیز کے ہیں، سے خرقہ خلافت چشتیہ
و سہروردیہ اخذ کیا۔ اور سید شکر اللہ سے جو خلیفہ شاہ برہان الدین قدس
سرہٗ عزیز ہیں فیوضِ نقشبندیہ و طیفوریہ حاصل کئے۔ شیخ خدا قلی ماوراالنہری
جو خلیفہ شیخ حسین خرقانی سے ہیں خلافت قادریہ شطاریہ اخذ کیا اور مخدوم
شاہ سدھن سرمست سے جو سید جمال الدین جمن کے خلیفہ ہیں فیض خلافتِ
شطاریہ مداریہ طیفوریہ حاصل کیا۔ ایک عرصہ تک پاواگڈھ (یہ مقام گجرات
میں ہے اور چاپانیر سے کالول کو چھوٹی ریل کے راستے پر اسٹیشن ہے
چاپانیر سے اندازاً سو یا سوا سو میل پر پاواگڈھ واقع ہے) میں جو اپنے
پیرِ حق نما کا مقام سکونت تھا رہ کر آپ نے بیعت کے بعد "سرمست" لفظ
اپنے نام کے ساتھ موسوم کیا۔ جب آپ سے جذباتِ الٰہیہ دُور ہوا اور
حالتِ سلوک میں آئے، آپ پاواگڑھ سے ناسک میں آ کر مقیم رہے اور
دمِ واپسیں تک مع اہل و عیال ناسک میں سکونت گزیں رہے۔

حضرت شاہ بدر الدین چشتی جو قصبہ ہین مالک کوکن میں آسودہ
ہیں اپنے خلیفہ شاہ صدر الدین چشتی سے فرماتے تھے کہ گلشن آباد (ناسک)
میں سکونت کا قصد نہ کرنا کیوں کہ چند سال بعد وہاں واصلانِ خدا
و عارفانِ کبریا سے ایک بزرگ ہستی بنام سید صادق حسینی پہنچیں
گے اور بہ فرمانِ الٰہی دینِ اسلام کو رونق بخشیں گے۔ غرض ایسا
ہی ظہور میں آیا چنانچہ ناسک میں ورود فرماتے ہی آپ کے قدوم برکت

نزول نے گمراہوں اور مشرکوں کی کایا پلٹ دی۔"

حضرت جس وقت ناسک میں تشریف لائے اس زمانے میں جوگواڑہ میں جوگی لوگ آباد تھے۔ یہاں پر وہ اپنے دیوی کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر یہ جوگی لوگ بہت ناخوش و ناراض ہوئے اس لئے انھوں نے اپنے جادو کا اثر حضرت پر ڈالنا شروع کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ حضرت یہاں سے کوچ کر کے کسی دوسرے مقام پر چلے جائیں لیکن حضرت پر ان کے جادو کا اثر کچھ بھی نہ ہوا، برعکس حضرت نے اپنے کشف و کرامت سے جوگواڑہ کو زمین بوس کیا اور تمام جوگی لوگ مع اپنے رہائشی مکانات کے زمین میں دھنس گئے۔ یہ معاملہ دیکھ کر بہت سے حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انھوں نے اپنے قدیم رسم و رواج، تیوہار، تہذیب و تمدن اور دین کو الوداع کیا اور نئی تہذیب و نئے دین کو اپنایا۔ اور اپنے پیر حق نما کی نصیحت کے پیرو بنے۔ ان کے حکم کی تعمیل بہ ہزار جان و دل سے کرنے لگے۔ اور احکام شریعت اور صوم و صلوٰۃ کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگے اور شہر میں مسجد جامع کی بنیاد پڑی مشرک لوگ بزم کثرت سے نکل کر بزم وحدت میں داخل ہو گئے۔ شہر میں اس واقعہ سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا کسی روحانی طاقت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے جس کی وجہ سے قدرت خداوندی کا نظارہ اور اوصاف اولیاء کرام ظاہری و باطنی ظہور میں آ گئے۔

"آپ[1] کے مرشدان عظام و پیران کرام میں سے یہاں صرف ایک پیر طریقت چشتیہ کی عربی و فارسی کا ترجمہ اردو زبان میں درج ذیل ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہادیان طریقت و رہ نمایان معرفت سے منصب خلافت

---

[1] سید لشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۱۵-۱۶

کب، کسیں کو، کیس لئے اور کن شرائط پر عطا کیا جاتا ہے۔

خلافت نامہ۔ ترجمۂ عربی

اما بعد بندہ ضعیف امیدوار اللہ کا خواجہ عمر مختار اللہ عفی اللہ عنہ و عن جمیع المسلمین کہتا ہے کہ جب میں نے اخی صالح کو عامل شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت اور کتاب استقامت کا تابع سنت سید المرسلین و رعایت، داوقات عبادت اور تہذیب داخلاق کا پایا۔ ثبوت خلافت سعادت کا اس کو دیا اور طالبوں میں داخل کیا کہ خلوت میں بیٹھے اور سند خرقہ اسطرح لکھدی گئی کہ وہ فتوحات کو قبول کرے اس شرط پر کہ بجا موقع پر اس کو خرچ کرے۔ البتہ میں نے بعد استخارہ اور بشارت اللہ العٰلمین کی باشارت سے شیخ المشائخ اخی صالح دینی سید شاہ صادق حسینی کو حب ازلی و منصب لم یزلی خرقہ خلافت و اجازت کا پہنایا۔

ترجمۂ فارسی

اس فقیر کی صحبت میں رہ کر اس نے استفادہ کیا اور اوراد و اذکار و ادعیہ مبارک اس فقیر سے تلقین پائے۔ چونکہ اس نے خرقہ خلافت و اجازت کی التماس کی، فقیر نے بعد استخارہ و استصواب باطن اس کو اس کام کے لائق جان کر خرقہ خلافت و اجازت کا اور شجرہ چہاردہ خانوادوں کا اس کو دیا بشرطیکہ جو طریقہ اور قاعدے اس نے اس سلسلے کے سمجھ لئے ہیں ان پر چلے اور طالبانِ حق کو ارشاد کرے۔ بعد ازیں مشائخ کبار پر واضح ہو کہ میں نے اس کو اجازت دی کہ دروازہ، زاویۂ حجرہ کھلا رکھے اور مسند ارشاد اور مشیخت پر بیٹھے۔ خدمت فقرا و مساکین، آنے جانے والے مسافر و مقیم کی

غنیمت جانے، جو نذر مشائخین رضی اللہ عنہم اجمعین سے پہنچے اس کو درویشوں پر اپنی حاجت پر عیال کی حاجت پر اور اپنے خادموں اور مستحقوں پر خرچ کرے سیرت مشائخ و سنت نبویہ و شریعت محمدیہ پر ثابت و مستقیم رہے بیکاری کو ہرگز خود پر راہ نہ دے بلکہ اپنی عمر عزیز کے اوقات نماز تلاوت قرآن یا ذکر یا مراقبۂ دل سے وابستہ رکھے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ"۔

آپ کی زوجۂ محترمہ مانک شاہ بی کا بیان

آپ کی زوجۂ محترمہ کا اصل نام مانک بی صاحبہ عرف ماں صاحبہ ہے۔ یہ شریف النسل خاتون زاہدہ و عابدہ تھیں۔ اپنے زوجِ عالی مرتبت سالک طریقِ حقیقت کی شرف صحبت و برکت زوجیت سے درجۂ ولایت پر فائز ہوئیں۔ آپ سلطان ابراہیم قطب شاہ کی نواسی ہوتی ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ اوائل حال میں بادشاہ موصوف کے پاس عہدۂ امیر العسکری پر مامور تھے۔ بعد شاہ مذکور نے آپ کا زہد و تقویٰ اور شرافتِ نسبی دیکھ کر آپ کو اپنی دختر عالی گوہر کے عقد سے ۲۴ جمادی الثانی ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء میں سلسلۂ دامادی میں منسلک کیا۔ اور عہدۂ ہفت ہزاری کا دیگر اعزازِ شاہی سے ممتاز فرمایا۔ جدیت مادری سے آپ شہزادی ہیں اور جدیت پدری سے آپ میدانِ وحدت یکہ تاز مخدوم سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ عزیز قطب گلبرگہ کے اولاد امجاد سے سید زادی ہیں نسب نامہ یہ ہے: ماں صاحبہ بنت سید حسینی بن شاہ

لہ سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵

صفی بن شاہ اسداللہ بن شاہ عسکری بن شاہ کلاں بن سیّد محمد اکبر حسینی بن
سیّد محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ عزیز۔ آپ کے والد کا وصال
۲۴ جمادی الثانی سنہ ۹۹۸ ھ میں ہوا۔ مزار آپ کا قلعہ محمد آباد گولکنڈہ کے
عقب میں واقع ہے۔ حضرت ماں صاحبہ بتاریخ ۲۴ ماہ صفر سنہ ۱۰۸۰ھ،
مطابق سنہ ۱۶۶۹ء میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئیں۔ یہ بات یاد رہے کہ جس طرح
عالمِ حیات میں یہ عفیفۂ زماں شوہر سیّد صادق حسینی کے ہمراز و دمساز تھیں
اسی طرح بعد وصال بھی دوش بدوش مرقدِ حسینی میں زیر پردۂ زمین آسودہ
ہیں یعنی کہ حضرت شاہ محمد صادق حسینی رح کا مرقد ایک ہے اور اس مرقد پر تعویذ
دو ہیں۔ ایک حضرت شاہ محمد صادق کا، اور دوسرا اس نیک صاحبہ بی بی کا۔
اس نیک بی بی کے بطنِ پاک سے پانچ اولاد یعنی چار صاحب زادے اور
ایک دختر نیک اختر سیّد صادق حسینی رح کی یادگار گذرے ہیں۔ صاحب زادوں
کے نام ہیں: حضرت سیّد شبیر محمد رح، حضرت سیّد نعمت اللہ رح، حضرت سیّد
شاہ پیر رح، اور حضرت سیّد عبدالکریم رح اور دخترِ نیک اختر کا نام ماہ بی بی
صاحبہ ہے۔"

ان چار صاحب زادوں میں فی الحال صرف دو صاحب زادوں کے یعنی حضرت شبیر محمد رح اور حضرت
سیّد عبدالکریم رح کی اولاد نرینہ قائم و جاری ہے۔ اور ناسک میں آباد ہیں۔ صاحب زادے
حضرت سیّد نعمت اللہ رح کی شاخ چار پشتوں کے بعد اولادِ نرینہ سے محروم ہوگئی۔ اسی طرح
حضرت شاہ پیر رح کی شاخ تین پشتوں کے بعد اولاد نرینہ سے محروم ہوگئی۔ حضرت سیّد
نعمت اللہ کی شاخ میں آخری چشم و چراغ نرینہ سیّد چراغ علی ہے اور سیّد چراغ علی
کی اولاد صرف دو لڑکیاں ہیں۔ ایک نام خیرو بی بی اور دوسری کا نام سراج بی بی ہے۔

اسی طرح حضرت شیر محمدؒ کی تیسری پشت میں آخری فرد نرینہ حضرت صالح محمد ہیں اور حضرت صالح محمد کو بھی اولاد صرف دو لڑکیاں ہیں۔ ایک کا نام لاڈلے بی بی صاحبہ اور دوسری کا نام فخرو بی بی ہے۔ چونکہ یہ دونوں حضرات سیّد چراغ علی اور سیّد صالح محمد اولادِ نرینہ سے محروم ہو گئے اس لئے ان دونوں صاحبان کے انتقال کے بعد ان کا نسلی رشتہ ان کے جدِ امجد حضرت سیّد صادق شاہ حسینیؒ کے شجرہ سے منقطع ہو گیا۔

حضرت سیّد شیر محمدؒ

" آپؒ طالب علم، تحصیل و تفصیلت کمال اور صاحبِ قوت اور صاحبِ علم تھے۔ نقاشی اور مصوّری میں آپ کو دستِ کمال تھا۔ بادشاہِ وقت نے آپ کو شاہ جہاں آباد کا نقشہ بنانے کے لئے کہا۔ آپ نے دولت آباد سے اسّی تختے اور ہر قسم کے رنگ طلب فرمائے۔ اور دو مہینے کی مہلت چاہی۔ بعد دو ماہ کے نقشہ شاہ جہاں آباد تیار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس نقشہ سے بادشاہ محظوظ و خوش حال ہو کر دولت و وزارت دینے کا حکم فرمایا۔ حضرتؒ نے منصب سہ ہزاری اور وزارت قبول نہیں کیا۔ تب بادشاہ نے فرمایا کہ مثل دوسرے وزیروں کے آپ میرے سامنے کھڑا نہ رہا کریں بلکہ مانند دوسرے وزرائے عمائدین کے بیٹھ جایا کریں۔ بعد ازاں بادشاہ نے فرمایا کہ قضاۃ دولت آباد مع پرگنات لے لیں۔ یہ بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔ اور عرض کی کہ خدمتِ دنیا سیاہ رُوئی آخرت کی ہے۔ آپ کے وصال کی تاریخ یکم ذی الحجہ سنہ ۱۰۷۲ھ ہے ۔۔۔ "

لہ سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۲۸-۲۹

حضرت سید نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ[1]

آپؒ اول قائم اللیل تھے، دوسرے ابتدائی حال سے آخر عمر تک مدام روزے رکھتے تھے۔ یہ حال کسی طرح بادشاہ اورنگ زیب پر ظاہر ہو گیا، اور یہ خبر بھی حضرت کی خدمت میں گذری کہ اس ملک کو سیوا نامی سردار آباد نہیں رکھے گا اور قصبہ، قلعجات کو بھی آخیر انجام کو پہنچائے گا۔ یہ بات سیوا کے متعلق جب گوش ہوش عاقبت اندیش عصمت نیوش منکوحہ زوجۂ صالحہ و ساجدہ صادق شاہ حسینی میں پہنچی، چونکہ آپ مرتبہ ولایت رکھتی تھیں اس بری اور شرارت انگیز بات کے اظہار سے مانع ہوئیں کہ ایسا مضمون خیال سے وکال ڈالیں تاکہ ملک ویران نہ کریں۔ اور اسی اثناء میں ملک ویران ہو گیا آپ کے وصال کی تاریخ ۱۳ صفر سن ۱۰۷۳ ہجری ہے۔"

حضرت شاہ پیرؒ[2]

عمر حضرت شاہ پیرؒ کی ایک سو پچیس سال کی تھی اور تندرست اور مضبوط تھے، اور دانت سب قائم تھے۔ فی الواقع حقیقت یہ ہے کہ لکڑی تھام لیتے اور اس کی میخ بناتے اور میخ تیار کر کے میدان دہلی میں ٹھونکی اور گھوڑا اورنگ زیب کا اس ٹھونکی ہوئی میخ سے باندھا گیا۔ بعد ازاں اورنگ زیب نے دارا شکوہ اور مراد بخش کو مار ڈالا اور شجاع بھاگ نکلا۔ شاہ پیر صاحب نے کہا ہے کہ تاشقندی دنبوں کے جگروں کے سیخ کباب لا کر ہم کو کھانے لا دیں یہ محبوب

---

[1] سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۲۹۔۳۰

[2] سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۲۷

حکم شاہ پیر صاحب کے اورنگ زیب نے سیخ کباب دُنبہ ہائی مذکور مہیا نہ کیئے۔ تب شاہ پیر صاحب نے متعقدیوں اور ارباب دخل مثل میر مراد حکیم خوش حال، حکیم صادق، محمد طاہر، مرزا محمد بیگ دیوان سے کہا کہ کباب مطلوب فقراء تھے، تیار کیوں نہ ہوئے ؟ اِس کا قدرت الٰہی سے یہ نتیجہ ہوگا کہ ملک کی بادشاہی اور تمہاری سلطنت دہلی کی بنیاد اکھیڑ دی جائیگی، اور تاخت تاراج ہوگی۔ آپکے وصال کی تاریخ ۲۱ رجب المرجب سن ۱۰۹۰ ہجری ہے۔"

حضرت سید عبدالکریمؒ

حضرت کو شاہ جی راجہ کلاں نے قلعہ بیم گنڈھ (بیم گڈھ قلعہ مرتضیٰ نظام شاہی کے قلمرو میں تھا اس قلعہ کو بعد میں شاہ جی نے میدان خالی پاکر اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ مملکت بیجاپور صفحہ ۲۴۶ - ۲۴۷ مصنف بشیرالدین احمد) سے آپ کو نزدیک طلب کیا اور ارباب مجلس میں جگہ دی۔ شاہ جی مذکور نے سید عبدالکریم کو اپنے بازوئے راست پر بٹھایا۔ چنانچہ یکایک ایک سانپ قدرت الٰہی سے غیب سے پیدا ہو کر عبدالکریم کے گلے میں پیچ ڈالا، اور بالائے سر نمودار ہوا اور پھر وہ سانپ اسی پیر سید کے پاؤں پر اتر کر تمام بدن پر گشت لگانے لگا۔ اس قدرت الٰہی پر تمام کافروں نے اعتقاد لایا، چنانچہ قلعہ مذکور کی جانب سے آپ اپنے مقام پر آرہے تھے، اسی اثنا میں قریہ بھگور کے راستے سے گذرے، جب کہ بازار کا دن تھا۔

---

[1] سید بشیرالدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی صفحہ ۳۰

خلقِ خدا کی آمد و رفت جاری تھی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک آہنی کڑھائی میں نیشکر کا شیرہ بڑا جوش کھا رہا ہے۔ سید مذکور نے اپنا دستِ مبارک اسی گرم شیرہ میں ڈالا اور اس کڑھائی سے گڑ نکال کر خلقِ خدا پر تصرف کرنے لگے۔"

ماہ صاحبہ بی بی عرف ماں صاحبہ بی بی

"آپ[1] سید صادق حسینیؒ کی صاحبزادی ہیں۔ بزرگ باکمال سید جمال الدین حسینی سہروردی مشہور پیر زادہ کی زوجۂ مکرمہ ہیں۔ سید جمال الدین طریقہ سہروردیہ میں اجازت و خلافت یافتہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ خود آپ کی خوش دامن صاحبہ زوجۂ سید صادق حسینی اور نسبی برادر سید شیر محمد فرزند سید صادق حسینی سلسلۂ سہروردیہ میں آپ ہی سے فیض یافتہ ہیں۔ یہ بی بی بتاریخ ۲ ماہ صفر ۱۰۶۵ھ کو حرم سرائے بقاء میں خلوت آرا ہوئیں۔"

شاہ امین الدین عرف سید شیر محمد مدنی

"آپ[2] والد بزرگوار صادق شاہ حسینیؒ کے ہیں۔ سیر الاولیاء میں مرقوم ہے کہ آپ ریاضت شاقہ اور پابند شریعت غرّیہ جامع علوم ظاہری و باطنی ولی کامل صاحبِ دل گزرے ہیں۔ صحرائے مدینہ کے ایک چاہ خشک میں مقدار قدآدم برابر بارہ برس تک عبادت و ریاضت میں

---

[1] سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی صفحہ ۳۶

[2] سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی صفحہ ۳۲

مصروف رہے۔ ماہ بہ ماہ ایک خرما سے روزہ افطار کرتے۔ بعد ایک ماہ کے ایک خرما اور چلو بھر پانی نوش کرتے۔ چھ مہینے دوسرے بھی اسی طرح افطار فرماتے رہے۔ کعبہ شریف میں اس طرح آپ کا نام اور اسی طرح آپ کا طریقۂ افطار رہا۔ آپ نے مکہ میں آواز سنی کہ قبیلہ کرو تاکہ تم کو ہوش پیدا ہوگا اور تم سے اولاد پیدا ہوگی اور نافع خلق پیدا ہوگی۔ حسب الحکم آپ صحرا سے روانہ ہو کر مدینہ میں اقامت فرمائی اور خلق اللہ کی ہدایت و ارشاد میں مصروف رہے آپ کی بزرگی و عظمت کا چرچا اور زہد و تقویٰ کا شہرہ دور دور تک پہنچا چنانچہ بادشاہ ملک شام نے اپنی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد مناکحت باندھا۔ مشیت ایزدی سے بندگی مخدوم سید صادق حسینیؒ کی اسی پاک سرزمین عرب میں پیدائش ہوئی اور آپ کے والد ماجد آخر عمر تک مدینہ طیبہ میں سکونت گزیں رہے اور وہیں آپ نے رحلت فرمائی۔"

مخدوم شاہ سدھن شطاری سرمستؒ

مخدوم شاہ سدھن سرمست شطاریؒ کا مزار شریف

گجرات میں پاواگڑھ کے ایک پہاڑ میں واقع ہے۔ اس پہاڑ کی چٹیان کے پتھروں کو تراش کر ایک کمرہ بنا ہوا ہے جس کی لمبائی تقریباً ۵ کیلومیٹر، چوڑائی ۴ کلومیٹر اور اونچائی ۲½ کلومیٹر ہے۔ مزار شریف گویا ایک گپھا ہے یعنی مزار شریف کی زیارت کے لئے خوب کو کمرہ میں سے نیچے کچھ پائیریاں اتر کر جانا ہوتا ہے اور مزار شریف کمرہ کی سطح سے نیچے ہے۔

براڈ گیج سنگل ریلوے لائن چاماپانیر جنکشن سے چھوٹی سنگل لائن ریلوے نکلتی ہے جو پالول ہوتے ہوتے پانی مائنیز (Pani Mines) تک جاتی ہے

راستہ میں یادواگاڈھ پڑتا ہے جو چاپانیر سے ۱۹ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ آج کل یہاں پر موٹر بس سٹاپ بھی قائم ہے اور بس اپنے سٹاپ سے سات کلومیٹر تک پہاڑ پر لے جاتی ہے پہاڑی کا باقی راستہ زائرین کو پیدل سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ راستہ بڑا دشوار گذار ہے تاہم سینکڑوں زائرین اکثر مزار پر روزانہ آتے جاتے ہیں۔ مزار کے اطراف بالکل بستی نہیں ہے بلکہ چھ سات کلومیٹر تک بالکل ویران اور میدان نظر آتا ہے۔ یادواگاڈھ بھی خود ایک نہایت چھوٹی سی بستی ہے جو مزار سے آٹھ دس کلومیٹر پر واقع ہے اور یہاں پر چند ہی لوگ آباد ہیں۔ بس سٹاپ کے قریب پہاڑ کے دامن میں ایک مزار ہے یہاں سے ہر سال حضرت مخدوم شاہ سدھن رح کا صندل شریف اوپر مزار مبارک پر لایا جاتا ہے حضرت کا عرش شریف پہلی رجب المرجب سے چھٹی رجب المرجب تک منایا جاتا ہے۔ صندل کے موقع پر اطراف کی آبادیوں سے لوگ آتے ہیں اور کمرہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی آدمی باہر سے اندر کمرہ میں داخل ہوتا ہے وہ اندر بیٹھے ہوئے آدمی کو تھوڑا سرکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس طرح لوگ آتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو سرکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کمرہ پورا بھر جاتا ہے۔ صندل شریف نیچے سے مزار پر آلوات تک لایا جاتا ہے۔ اس وقت لوگ احتراماً کمرہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور رسومات صندل ادا کی جاتی ہیں۔ بعد میں فاتحہ، درود اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ صندل کی تقریب ختم ہونے کے بعد لوگ باہر نکل جاتے ہیں اس وقت آدمیوں کی تعداد تقریباً دو یا ڈھائی ہزار کی ہوتی ہے جو اس کمرہ میں سمانا ناممکن ہے۔ یہ حضرت کی کرامت ہے کہ اتنے چھوٹے سے کمرہ میں ڈھائی ہزار آدمی اس تقریب کے وقت سما جاتے ہیں۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی رح اپنے پیر حق نما کی

پایا۔ عرصۂ دراز کے بعد جب جذبۂ الٰہیہ آپ سے دور ہوا اور آپ سلوک میں آ گئے تو پاواگڈھ میں آپ کو غیبی ارشاد ہوا کہ آپ ناسک تشریف لے جائیں۔ چنانچہ بحکم غیبی آپ نے پاواگڈھ سے کوچ کیا اور ملک دکن کی راہ لی۔ برہانپور، دولت آباد، بیجاپور، بیدر، کرنج، بلگام، گلکلا، ملہیر وغیرہ مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اخیر میں ناسک تشریف لائے اور یہاں پر مع اہل و عیال دم آخر تک سکونت پذیر رہے۔

سید حسین بالی برہنہ چشتی رح

آپ بزرگ صاحب جذبہ درویش کامل تھے اور خلیفہ سید صادق حسینی رح کے تھے۔ آپ کا قیام آخری عمر میں دہلی میں رہا۔ کئی سال اپنے مرشدِ برحق سید صادق شاہ حسینی رح کی خدمت میں ہمراہ سفر و حضر رہے۔ نعمت و خلافت چشتیہ آپ سے حاصل کی۔ قانع، متوکل، صاحبِ کرامات وحالات ہوتے۔ آخر حکم مرشد سے دہلی میں رہ گئے تھے۔ کہتے ہیں چند عرصہ جدائی باہمی کے بعد پیر صادق حسینی کا ناسک میں انتقال ہو گیا۔ آپ کو تب کشفِ باطن سے یہ سانحہ معلوم ہوا۔ اہلِ دہلی سے کہنے لگے آج بندہ کے مرشد راہی ملک بقا ہوئے۔ میں اب ان کے فاتحہ سوم میں شریک ہونے جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ کے مرشد صادق نے اپنے فرزندوں کو قبل از وفات وصیت فرمائی تھی کہ میرا خلیفہ سید حسین نامی میری رحلت کے بعد جلد تر یہاں آئیگا اس کی خاطر داری اور آخری خدمت میں تم پوری طرح سرگرم رہنا۔ الغرض یہ بزرگ سید موصوف دہلی سے روزانہ پیادہ روانہ ہو کر اپنے پیر کی فاتحہ سوم

میں اپنے کشف و کرامات سے شریک ہو گئے۔ اور ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۴۹ ہجری میں
راہی عالم بقا ہوئے۔ ان کا مزار درگاہ شریف کے مقابل میدان میں چند قدم
کے فاصلے پر ایک پختہ چبوترہ پر واقع ہے اور یہ بھی مسموع ہے کہ آپ پیر صادق
سید صادق حسینی رح کے بھانجے ہیں۔"

شیخ جمال الدین جمن چشتی قدس سرہ عزیز

آپ ایک مقبولان بارگاہ اور خاصان خدا سے ہیں۔ صاحب
ولایت تصرفات ظاہری و باطنی میں مشہور تھے۔ فیض ارادت و خرقہ خلافت
چشتیہ اپنے والد شیخ محمود راضی سے حاصل کیا۔ اور اپنے والد کے چچا شیخ
نصیر الدین ثانی چشتی سے بھی خلافت باطنی رکھتے تھے اور اپنے شیخ احمد
کھٹو مغربی سے خلافت مغربیہ کا فیض حاصل کیا تھا۔ ہمیشہ اشغال و اذکار و
عبادت الٰہی میں مستغرق رہے۔ لوگوں کی تلقین و ہدایت میں ساری عمر بسر کی۔
ہزاروں لوگ گجرات میں آپ کے مرید اور معتقد ہوئے۔ تاریخ ۲۰ ذی الحجہ
۹۴۰ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔ اور چامپانیر (گجرات) میں آپ کا
مزار شریف ہے۔ اور اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ خلیفہ مخدوم شاہ
سید حسن سرمست کے تھے۔ اور مخدوم شاہ سید حسن کے مرید حضرت سید
شاہ محمد صادق سرمست حسینی تھے۔"

بابِ دوسرا

"حضرت کی بابت ماضی وحال کے مصنفوں کی تحریریں، حضرت اور ان کے صاحب زادوں سے جن ہستیوں کا تعلق رہا، ان کا بیان۔"

"پریچنگ آف اسلام" میں پروفیسر تھامس آرنالڈ نے حضرت سید شاہ محمد صادق سرمست حسینی رح کا نام مبلغین کی فہرست میں درج کیا ہے اس کتاب کا[1] اردو ترجمہ جناب محمد عنایت اللہ صاحب دہلوی نے کیا۔ اور اس ترجمہ کو "دعوتِ اسلام" سے موسوم کیا ہے۔ پروفیسر ارنالڈ نے دکن کے اولیاء کرام کے حالاتِ زندگی کیساتھ آپ کی زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کی تحریر مندرجۂ ذیل ہے:۔

"ملکِ دکن بھی دعاۃ اسلام کی کوششوں کا منظر رہا۔ ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ عرب کے تاجر مغربی ساحلِ ہند پر بہت قدیم زمانے سے آمد و رفت رکھتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ عرب تاجر کونکان (کوکن) کے شہروں میں کثرت سے آباد ہو گئے اور وہاں کی عورتوں سے نکاح کر

---

[1] مصنف سر تھامس آرنالڈ — پریچنگ آف اسلام — صفحہ ۲۷۴ - ۲۷۵
مترجم محمد عنایت اللہ دہلوی — دعوتِ اسلام — صفحہ ۲۱۸ - ۲۱۹
مصنف جیمس ایم کیمپبل — دی ایمپیریل گیازیٹیر — صفحہ ۷۵ تا ۷۷

کے اپنے دین دآئین کے ساتھ شہروں میں آباد رہے۔ سلاطین بہمنی ۱۳۴۷ء سے ۱۴۹۰ عیسوی اور بیجاپور ۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ عیسوی کے زمانے میں اہلِ عرب کو ریاستوں میں آباد ہونے کی بہت جرأت دلائی۔ عرب کے تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ واعظ بھی ملک میں داخل ہوئے تاکہ اسلام کو ترقی دیں اور تعلیم و تلقین سے گمراہوں کو راہِ راست پر لائیں۔ دکن کے شاہانِ سلف کے زمانے میں غیر مذہب والوں کو مذہبی آزادی تمام و کمال حاصل تھی۔

ناسک میں شاہ محمد صادق سرمست حسینی کی اولاد اب تک موجود ہے ان کی نسبت لکھا گیا ہے کہ دعوتِ اسلام میں وہ نہایت درجہ کامیاب ہوئے۔ ۱۵۶۸ عیسوی میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور مغربی ہند کے اکثر مقامات کا سفر کر کے انھوں نے ناسک میں سکونت اختیار کی تھی۔ ناسک کے ضلع میں ایک اور بزرگ خواجہ خنمیر حسینی گذرے ہیں جنھوں نے شاہ محمد صادق سے پچاس برس پہلے دعوتِ اسلام میں کوشش کی اور دو بزرگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جنھوں نے اسلام کی اشاعت کی۔ ایک ان میں سے سید محمد ابن سید علی تھے اور دوسرے سید عمر عیدروس باشیبان تھے۔"

پریچنگ آف اسلام کے سوا پروفیسر آرنالڈ نے ایک اور کتاب "لیگیسی آف اسلام" تصنیف کی ہے جس کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ "میراثِ اسلام" کے نام سے جناب عبدالمجید سالک صاحب نے کیا ہے۔ پروفیسر آرنالڈ دس سال تک علی گڑھ دارالعلوم میں فلسفے کے استاد رہے بعد میں آپ لاہور تشریف لے گئے اور لاہور کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ اسی دارالعلوم میں علامہ اقبال کو آپ کی شاگردی کا فخر ۱۸۹۷ عیسوی میں ہوا۔ "پریچنگ آف اسلام" اور "لیگیسی آف اسلام" یہ دونوں

کتابیں اسلامی نقطۂ نظر سے بڑی بے بہا اور اہم تصانیف ہیں۔

اسی طرح اور بھی مصنفوں نے حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ کی بابت اپنی تصانیف میں تذکرہ کیا ہے۔ جناب شیخ محمد اکرام ایم اے، ڈاکٹر آف لٹریچر نے اپنی کتاب "آبِ کوثر" میں اس طرح تحریر فرمایا ہے :۔

"ضلع ناسک میں شاہ محمد صادق سرمست حسینی اور خواجہ خنمیر حسینی کامیاب داعیانِ اسلام تھے۔"[1]

اور حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی صدر جمعیۃ العلماء صوبہ دہلی نے "مختصر تاریخ ملت" میں آپ کا ذکر یوں قلمبند کیا ہے :۔

"شاہ محمد صادق سرمست ۱۵۶۸ عیسوی میں مدینہ سے ہندوستان آئے۔ ناسک میں ہزاروں بت پرستوں سے توبہ کرائی۔"[2]

میر الاولیاء میں مولوی عبدالکریم سورتی نے تحریر فرمایا ہے کہ شاہ محمد صادق سرمست حسینیؒ مدینہ سے ہندوستان کی جانب تشریف لائے اور ملک ہند میں سندھ کاٹھیاواڑ، گجرات اور دکن کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بشارتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ناسک میں قیام پذیر ہوئے اور اپنے سفر میں مشائخینِ وقت اور بزرگانِ عصر سے فیوضاتِ باطنی اخذ کیا۔ آپ کی تشریف آوری کے زمانے میں دہلی میں شہنشاہ جہانگیر حکمراں تھے اور شاہزادہ خرم (شاہجہاں) دکن کی صوبہ داری پر مامور تھے۔ حضرت سید شاہ محمد صادق سرمست حسینی قدس سرہٗ عزیز کے ناسک میں قدم رنجہ فرمانے سے پچاس

---

[1] مصنف شیخ محمد اکرام — آبِ کوثر — صفحہ ۳۷۳

[2] مصنف حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی — مختصر تاریخ ملت — صفحہ ۴۴

برس پیشتر ایک بزرگ ہستی خواجہ خنمیر حسینی بھی تشریف لائے تھے اور انھوں نے یہاں تبلیغِ اسلام کا کام کیا۔ سوا دو عرب بزرگ جن کے نام سید محمد ابن سید علی اور سید عمر عید روس باشیبان نے بھی اشاعتِ اسلام کا کام کیا۔ خواجہ خنمیر حسینی تبلیغ کرتے ہوئے ناسک سے کوچ کر کے کھبرگہ تشریف لے گئے اور دونوں عرب بزرگان بھی ناسک میں مقیم نہ ہوسکے بلکہ تبلیغ کے سلسلے میں ناسک چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کی طرف چل دیئے۔

الغرض مندرجۂ بالا تحریروں سے تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت سید شاہ محمد صادق حسینی رح ایک کامیاب مبلغ تھے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر کافی طویل تھی، اور اندازہ ہے کہ آپ کی عمر ۱۲۵ سال کی تھی۔ آپ کے وصال کی تاریخ ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ ہے۔

سید صادق شاہ حسینی رح اور ان کے صاحبزادوں کے حیات میں جن ہستیوں کا ان سے تعلق رہا، ان کا بیان

حضرت شاہ محمد صادق حسینی رح کا ناسک میں قیام مغلیہ دورِ حکومت میں رہا۔ اس لئے اس دورِ حکومت کے تاریخی واقعات حضرت کی سوانح حیات سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ اس زمانے کے چند اولوالعزم اور خاص خاص ہستیوں کے حال مختصراً قیدِ قلم میں لایا گیا ہے۔

شاہ زادہ خرمؔ شاہ زادہ خرم کے والد کا نام شہنشاہ جہانگیر ہے اور والدہ کا نام حضرت بلقیس مکانی ہے۔ یہ عالی جاہ

لہ مصنفہ مولوی سید بشیر الدین احمد سجیر زادہ گلشن آبادی — گلزارِ صادق صفحہ ۳۸ - ۳۹
مصنفہ سر ایچ ایم ایلیٹ — میمائرز آف جہانگیر صفحہ ۱۶۵ - ۱۶۶
مصنف موجندار جودھری ریسہ اور دتا — ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۶۸

خاتون اودے سنگھ ولد راجا مالدیو کی دختر نیک اختر تھیں جو راجپوتانہ کے بڑے راجاؤں میں سے ہیں، ۳ جمادی الاوّل ۱۰۲۸ ہجری (۱۸ اپریل ۱۶۱۹ء) کو دار فانی سے باغ بہشت کی راہ لی اور ان کی وصیت کے مطابق نور منزل کے قریب دہرہ باغ میں انھیں دفن کیا گیا۔ شہزادہ بمقام لاہور ۱۰۰۰ ہجری میں پیدا ہوا اور اس کے دادا شہنشاہ اکبر نے اس کا نام خرم رکھا۔ جہانگیر نے شہزادہ خرم کو دکن کی صوبہ داری اور دکن کی فتح اور باغیوں کی گوشمالی کے لئے مامور کیا۔ لہٰذا چتوڑ سے شاہ جہاں دکن کی مہم پہ پہلی بار ۲۰ آبان مطابق ۳۰ شوال ۱۰۲۵ ہجری (۱۲ نومبر ۱۶۱۶ء) بروز جمعہ برہانپور کی طرف چلے اور شاہی لشکر برہانپور میں ۵ ربیع الاول ۱۰۲۶ ہجری ۲۳ اسفندیار سنہ ۱۱ جلوس جہانگیری، ۱۳ مارچ ۱۶۱۷ء کو پیر کے روز داخل ہوا۔ ۱۲ نومبر ۱۶۱۶ء سے ۲ دسمبر ۱۶۲۷ء تک یعنی آگرہ میں اس کی تاجپوشی کیلئے روانگی تک وہ دکن ہی میں مقیم رہا۔ ان دنوں اس کی بیوی ممتاز محل مع دیگر امراء اس کے ہمراہ تھی۔ دکن کے علاقے میں مہمات اور انتظام مملکت کے لئے شہزادہ خرم کا تقریباً گیارہ بارہ برس قیام رہا۔ دکن کی پہلی مہم پر فتح پانے کے بعد شاہ جہاں اپنے والد محترم جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت جہانگیر نے خلعت خاص، مع زر دوزی چار قب، جس پر موتی ٹکے ہوئے تھے نیز شمشیر جس کا مرصع غلاف تھا ایک پٹی اور خنجر شاہزادہ کو عنایت کر کے ان کا منصب تیس ہزاری ذات بیس ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ مقرر کیا۔ شاہجہاں کے خطاب سے سرفراز کر کے حکم فرمایا کہ اس فرزند اقبال مند کے لئے تخت شاہی کے برابر میں کرسی رکھی

جایا کرے۔ حضرت نے توزک جہانگیری میں اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہے کہ یہ وہ عنایت ہے جو فقط ہم نے اس فرزند سعید کے حق میں کی ہے ورنہ امیر تیمور کے وقت سے اب تک اس خانوادے کے کسی بادشاہ نے کسی شاہزادے کو یہ افتخار نہیں بخشا۔ دورانِ قیامِ دکن اس کی بیوی ممتاز محل و دیگر امراء و اراکینِ لشکر ہمیشہ شہزادہ کے ہمراہ تھے۔ سنہ ۱۶۱۶ء میں شاہجہاں نے پہلی بار دکن کی مہم میں دکن کی تینوں حکومتوں کو مغلوب کیا۔ لیکن کچھ مدت بعد یہ تینوں حکومتیں جہانگیر سے پھر سرکش ہو گئیں اور بغاوتیں شروع کر دیں؛ اور اپنے تسخیر شدہ علاقوں پر پھر اپنا قبضہ جما لیا۔ حضرت جہانگیر کو ان تمام واقعات کی مکرّر اطلاعیں ملتی رہیں۔ چنانچہ دکن کے غنیموں کی سرکوبی کے لئے پھر ایک بار شاہجہاں کو ۴ دی سنہ ۱۵ جلوس یکم صفر ۱۰۳۰ ہجری (۲ دسمبر سنہ ۱۶۲۱ء) بروز جمعہ بڑی عزّت و توقیر کے ساتھ بیس ہزار سوار تجربہ کار سردار اور لشکرِ جرّار عطا کر کے دکن کی مہم پر روانہ کیا۔ چند وجوہات کی بناء پر باپ سے باغی ہو گیا لیکن شاہی افواج کے ہاتھوں تنگ آ کر اس نے اپنے باپ جہانگیر سے عفوِ تقصیر چاہی۔ جہانگیر نے لکھا کہ اگر قلعہ رہتاس (بہار میں) اور قلعہ اسیر گڑھ (برہانپور) حوالے کر دو اور سلطان دارا شکوہ اور سلطان اورنگ زیب کو میرے پاس بھیج دو تو تمہاری تقصیر معاف ہو گی چنانچہ شہزادے نے دو قلعے (رہتاس اور اسیر گڑھ) بادشاہی فوج کے حوالے کئے اور سوم جمادی الثانی ۱۰۳۵ ہجری مطابق ۲ مارچ سنہ ۱۶۲۶ء دو لاکھ روپیہ، تحفہ مرصع آلات جواہر اور کوہ پیکر ہاتھی ان کے ساتھ گئے کہ بطور پیشکش نظرِ عالی سے گذاریں۔ اس کے بعد شہزادہ خرم ناسک

چلا آیا۔ تاریخ ۳ جمادی الثانی ۱۰۲۵ ہجری سے ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۲۵ ہجری تک یعنی مکمل ساڑھے تین ماہ ناسک میں مقیم رہا۔ شاہ جہاں نے دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو حضرت جہانگیر کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد ناسک کو روانہ ہوا، اس وقت اس کے ہمراہ ملکہ ممتاز محل اور اس کی بھتیجی یا بھانجی نور جہاں اور چھوٹا شہزادہ مراد بھی تھا۔"

"صبح صادق"[1] میں تحریر ہے کہ جس وقت شہزادہ خرم ۱۰۲۶ ہجری میں واسطے مہمات و انتظامات ملک دکن روانہ ہوا، برہان پور خاندیس ہوتا ہوا اور ہر قلعے کا معائنہ کرتا ہوا اور جا بجا فوج رکھتا ہوا ناسک پہنچا۔ ممتاز محل اس کی بیوی بھی مع دیگر امراء کے ہمراہ تھی۔ پانچ ہزار سوار اور پچاس ہاتھی کے ساتھ شہر ناسک میں طرح اقامت ڈالی۔ حضرت سید صادق شاہ حسینی کی ولایت اور کرامات کا شہرہ سن کر رحمت اللہ نامی صاحب مقرب بادشاہی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب رحمت اللہ موصوف شاہ صاحب کے آستانہ پر حاضر ہوا اس وقت آپ نے رحمت اللہ سے فرمایا کہ جس وقت شکارگاہ میں شاہزادہ خرم شکار کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جدا ہوا تھا اس وقت اس کو اٹھا کر جس نے دوبارہ گھوڑے پر سوار کرایا وہ میں ہی صادق شاہ حسینی ہوں۔ شیخ رحمت اللہ نے یہ تذکرہ شہزادہ خرم سے کیا۔ شہزادہ خرم نے جواب دیا کہ ہاں، واقعی ایسا ہی ہوا ہے بلکہ انھوں نے اپنے سبز لباس کی بھی بطور یادگار نشانی دی ہے۔ شہزادہ مذکور نے کہا سچ

---

[1] مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی ، صبح صادق صفحہ ۱۱-۱۲

ہے۔ پھر شیخ رحمت اللہ نے عرض کی کہ اگر بندہ کو ارشاد ہو تو حضور کے دربار میں بلا لاؤں۔ کیوں کہ میں نے ان کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ فلاں فلاں شہر میرے سامنے آباد ہوئے اور فلاں فلاں واقعات میرے سامنے ظہور میں آئے یہ باتیں حیرت انگیز سن کر شاہزادے کے دل میں آپ کے حضور میں جانے کا شوق پیدا ہوا۔ الغرض شیخ رحمت اللہ نے آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچ کر اظہار حسنِ عقیدت شہزادہ کیا۔ اور التماس کی کہ شاہزادہ خرم آپ کی یاد فرماتے ہیں۔ آپ نے اس پیامِ شاہی کی مطلق پرواہ نہ کی، اور خاموش ہو رہے۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ شاہ صاحب کی ولایت کی مقناطیسی کشش نے بذاتِ خود شاہزادے کو آپ کی خانقاہ شریف میں کھینچا۔ شہزادہ موصوف آ کر فقیر کے حضور میں داخل ہوئے کہتے ہیں کہ شہاب الدین خطّاب نے جو وہاں شاہ صاحب کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے شہزادہ کا استقبال کیا۔ اور شاہ صاحب بیٹھے رہے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی۔ شہزادہ خرم رحمت اللہ پر خشمناک ہوا اور کہا کہ فقیروں کی حقیقت سے تو ناواقف ہے۔ آپ کی لاپرواہی دیکھ کر شہزادے نے حرم ممتاز محل سے استصواب فرمایا۔ فرمان صادر ہوا کہ فقیر کی زبان سے جو کچھ نکلا ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ فقیر روشن ضمیر ولی کامل ہے جو زبان سے کہتا ہے پتھر کی لکیر ہے۔ شہزادہ خرم جب تک ناسک میں مقیم رہے ہر پنج شنبہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بہ نفس نفیس حاضر ہوتا تھا۔ کبھی ملاقات سے مشرف ہوتا اور کبھی محروم رہتا۔ شہزادہ موصوف کا عملِ زیارت بزرگان کفارہ پر تھا۔ اس بابت مثنوی میں مولانا رومی یوں فرماتے ہیں:

یک نفس بودن بہ پیشِ اولیاء بہتر از صد سالِ طاعت بے ریا

ایک مرتبہ سید صادق شاہ حسینی رح کے گھر میں شہزادے کی دعوت ہوئی۔ الوانِ نعمت کے خوان بچھائے گئے، ایک سو قاب چینی چنے گئے، جس میں بیس عدد قاب حرم ممتاز محل نے امیرزادیوں، کنیزوں اور دیگر متعلقین کو ہمراہ لے کر شاہ صاحب کے سفرہ پر طعام تناول فرمایا۔ بقایا اسی قاب شاہ صاحب موصوف نے شاہی حرم کے ساتھ مقام اقامت پر روانہ کئے جن سے تمام ملازمان و لشکریانِ شاہی سیر ہوئے۔ ممتاز محل نے شاہزادہ خرم سے کہا کہ آپ دارالخلافت اکبرآباد میں ہمیشہ فرماتے تھے کہ جو کھانا ہم کھاتے ہیں کسی کو میسر نہیں۔ اب ذرا شاہ صاحب موصوف کے طعام کی طرف متوجہ ہوں اس میں یہ کرامت ہے کہ ہر وقت تازہ، لذیذ اور گرم رہتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ممتاز محل اور شہزادہ خرم کو اس درجہ عقیدت مندی آپ سے تھی کہ حرم ممتاز محل نے آپ کی خدمت میں ایک بار التجا کی کہ جب تک میں آپ کے شہر میں ہوں ہر روز اپنے خاصہ سے نوش فرما کے الش بقایا روانہ فرماتے رہیں جو موجب حصولِ برکت و سعادت ہے۔ آپ نے اس التماس کو قبول فرمایا۔ چنانچہ باجرے کی روٹی، ساگ، میتھی، گوشت، مسکہ و دہی وغیرہ ہمیشہ بھیجتے رہے وہ کھانا آپ کی دعا کی برکت سے اتنا بڑھ جاتا تھا کہ شہزادہ موصوف کے ہمراہی و ملازمین کھا کر شکم سیر ہو جاتے تھے۔ اسی حسن عقیدت سے شاہ[1] صاحب موصوف سے زائد از یک سال شہزادہ خرم مع حرم و امراء ناسک اور اطراف ناسک میں مقیم تھا۔ اس دعوت کے ضمن میں ممتاز محل نے اپنے خدمت

---

[1] مصنف میر بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — صبح صادق — صفحہ ۱۲-۱۳

گاروں اور ازواج متصدیاں و امرایانِ عالی نژاد وغیرہ کو دستِ بیعت شاہ صاحب سے کروایا اور خود ممتاز محل بھی آپ کی مُرید ہوئی۔"

شاہ جہاں اور اس کی فوج کی دعوت حضرت شاہ صادق حسینیؒ نے کی تھی، اس کا تذکرہ ڈاکٹر میمونہ دلوی، بمبئی نے اپنی کتاب "بمبئی میں اردو" میں یوں کیا ہے:

"اشرف۔ اشرف کا پورا نام سیّد عبدالفتاح الحسینی القادری اور عرف اشرف علی ہے۔ ناسک کے شاہ صادق کی اولاد سے ہیں۔ شاہ صادق شاہ جہاں کے دَور کے صُوفی اور عالم تھے۔ انھوں نے شاہ جہاں اور فوج کی دعوت کی تھی۔"[1]

"مرقوم ہے کہ ایک وقت شہزادہ خرّم سیّد صادق شاہ حسینیؒ کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت کا دریائے عرفان آپ کے سینہ میں جوش زن تھا مجلس میں اسرارِ شریعت و رموزِ معرفت کا وعظ ہو رہا تھا کہ حضرت شہزادہ مذکور کی طرف متوجہ ہوئے اور شہزادہ کو تاکید فرمائی کہ اذان، تکبیر، نمازِ پنج وقتہ باجماعت اور ذبح بقر بموجب رسم اسلام کے احکام شرعیہ علی الاعلان تیری حکومت میں نافذ کیے جائیں۔ شہزادہ نے عذرِ ناسازیِ طبیعت در پیش کی اور التماس کی کہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد حصول صحت جو کچھ ارشاد عالی صادر ہوا ہے اس کی تعمیل ہزار جان و دل سے کی جائے گی۔ حضرت نے یہ سُن کر دعا دی، اور ایک تسبیح نصف سُرخ اور نصف کبود (نیلگوں) رنگ کی اور ایک جوزی مگس

---

[1] مصنفہ ڈاکٹر میمونہ دلوی، بمبئی — بمبئی میں اردو — صفحہ ۱۳، ۳۲

[2] مصنفہ سیّد بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — تذکرۂ صادق صفحہ ۲۱-۲۲

رانی کی جو کہ آپ کو علی عادل شاہ والیٔ بیجاپور سے بطور تحفہ بھیجی تھی۔ دست بیعت دیتے وقت شہزادہ خرم کو عنایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ، یہ امانت ان کو بادشاہِ ہند کے لئے میرے سپرد کی گئی تھی۔ تجھ کو میں آج دیتا ہوں۔ بعد مرید ہونے کے شاہزادہ خرم نے اپنے پیر کو ایک لاکھ روپیہ نقد پانچ ہاتھی دس رہوار تیز رفتار مع ساز و سامان طلائی حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ یہ نذریں حضرت نے اپنے ایک فرزند شیر محمدؒ کے حوالے کر دیں اور اس طرح فرمایا کہ یہ حق سپاہ ہے، درویشوں کو اس کی حاجت نہیں اس لئے یہ نذریں سپاہیوں کو دے دی جائیں کہ جنہوں نے اپنے بال بچوں اور قبائل وغیرہ چھوڑ کر ہزار پریشانی و سرگردانی شہزادہ کی ہمراہیت اختیار کی اور ان کے لشکر کے ساتھ ناسک چلے آئے ہیں، بس اتنا کہہ کر ڈیرے میں چلے گئے۔ مندرجہ بالا واقعہ یہ بتاتا ہے کہ قدرتِ الٰہی کی مشیت دیکھیے کہ کس کی امانت کس کے ذریعے کس کو ملتی ہے۔ یعنی مذکورہ تسبیح اور جوہری جو تحفے علی عادل شاہ کی جانب سے حضرت کو پیش کئے گئے تھے گویا یہ امانت تھی شاہِ ہند کی۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ درویشوں کا ایثار دیکھیے کہ اتنا بڑا انعام و اکرام حضرت نے لینا قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ یہ تمام نذریں لشکر میں تقسیم کی جائیں۔ درویش ان ہاتھی گھوڑوں کو لے کر کیا کرے گا اور ان کا روز مرہ کی خوراک کے لئے مال و زر کہاں سے لائے گا۔ ایسی نذر کا مسترد کرنا کمالِ فقر و توکل کی دلیل ہے۔"

"شہزادہ خرمؔ[له] نے دیکھا کہ حضرت کے آستانے پر ہر روز نوبت بجتی ہے۔ پس بپاس ادب پیر مرشد اپنے درباریوں کو حکم فرمایا کہ جب تک پیرو مرشد کی نوبت نہ بج جائے تب تک شاہی نوبت نہ بجائی جائے۔ مزید یہ بھی حکم فرمایا کہ اگر کسی روز کسی وجہ سے حضرت کے آستانے پر نوبت نہ بجے تو اس روز شاہی نوبت بھی ہرگز نہ بجائی جائے" اور نوبت بجانے کی سخت ممانعت فرمائی، چنانچہ اس روز شاہی نوبت بھی نہ بجتی تھی۔

تیری چوکھٹ پہ رکھدی ہے شہنشاہوں نے پیشانی،
تیرے در کے بھکاری کر گئے دنیا میں سُلطانی

تاج محل عرف ممتاز محل

تاج محل[ﷲ] عرف ممتاز محل المعروف بہ ارجمند بانو آصف خاں امین الدولہ کی لڑکی ہے۔ اور نور جہاں کی نواسی ہے۔ جب لکھ پڑھ کر فارغ ہوئی تو سن شباب کو پہنچی۔ اس کے حسن وجمال کا شہرہ عالم گیر ہوا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس مہ جبین کو اپنے بیٹے شاہ جہان کے ساتھ محرم ۱۰۱۶ ہجری میں منسوب کر دیا۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۱ ہجری میں شاہ جہان کا سن بیس برس گیارہ ماہ تھا اور تاج محل کی عمر ۱۹ برس سات ماہ کی تھی۔ انکی نہایت

له مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۲۳ و ۲۵

ﷲ مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۴۱، ۴۲، ۴۳

مصنف مدیر شاہد احمد دہلوی رسالہ ساقی جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۰

دھوم دھام سے شادی کر دی، اور ممتاز محل کا خطاب عطا فرمایا۔
جہانگیر نے اس موقع پر اپنے ہاتھ سے نوشاہ کے عمامے پر موتیوں کا ہار باندھا۔ مہر پانچ لاکھ روپیہ کا قرار پایا۔ شاہ جہاں کی تاج محل کے ساتھ سچی محبت تھی۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو گی کہ اس نے جیتے جی کبھی اس سے مفارقت گوارا نہ کی۔ یہاں تک کہ لڑائیوں میں بھی اور دکن کے مہمات میں بھی شاہ جہاں کے ہمرکاب رہی۔ شاہ جہاں کو اپنی یہ دور اندیش اور صاحب الرائے بیگم کے مشورہ سے مہمات کے سر کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ ۱۰۲۹ ہجری تک شاہجہاں اور تاج محل دکن میں نہایت عیش و عشرت کے ساتھ انتظام ملک میں مصروف رہے۔ دونوں بھی ۱۰۳۷ ہجری تک صحرانوردی میں بسر کرتے رہے۔ جب جہانگیر راہی عدم ہوا شاہ جہاں نے دارالخلافت کی طرف کوچ کیا۔ آخر آصف خاں کی کوشش سے تخت پر بیٹھا۔ اس کی بیوی بڑی خدا پرست تھی۔ یہ اثر اسی کا تھا کہ شاہ جہاں بھی پابند صوم و صلوٰۃ ہو گیا تھا۔ جن دنوں شاہ جہان ملک دکن برہانپور میں خیمہ زن تھا ممتاز محل حاملہ تھی۔ جب دردزہ میں مبتلا ہوئی، لڑکی پیدا ہوئی لیکن اندرونی بے ترتیبی سے تکلیفیں بڑھ گئیں۔ آخر زندگی سے مایوس ہوئی۔ تب اس نے شہزادی جہاں آرا بیگم کو اشارہ کیا کہ زنانہ کے کمرہ کی راہ سے بادشاہ کو بلا لے۔ بادشاہ گھبرا کر اپنی مرنے والی بیگم کے کمرہ میں داخل ہوئے اور اس کے سرہانے بیٹھے۔ ممتاز نے آہٹ پا کر آنکھیں کھولیں بادشاہ پر آنسو بھری آنکھوں سے نگاہ حسرت ڈالی اور وصیت کی کہ میرے بعد میری اولاد سے غافل نہ ہونا اور میرے والدین کی بھی خبر گیری کرتے رہنا۔

افسوس اس حادثہ جانکاہ نے شاہ جہاں کے دل پر کام کیا۔ گویا بجلی تھی، جو سر پہ گری۔ اس کی رحلت پر تمام سلطنت نے ماتم کیا۔ بادشاہ نے سفید لباس زیب تن کیا۔ شاہی خاندان کے امراء منصب داروں نے ماتمی لباس پہنا۔ اس کی نعش کو باغ زین آباد واقع برہانپور میں متصل دریائے تپتی بطور امانت کر دیا۔ بادشاہ جب تک برہان پور میں رہا ہر جمعہ کو فاتحہ خوانی کے لئے وہاں جاتا تھا۔ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ اس حادثہ سے پیشتر بادشاہ کے سر میں صرف دس بیس سفید بال تھے لیکن ممتاز محل کے مرنے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں شدت غم سے سفیدی چھا گئی۔ وفات کے چھ ماہ بعد یوم جمعہ ۱۷ جمادی الاول ۱۰۴۱ ہجری میں نعش کو برہان پور سے بہ حفاظت شہزادہ شجاع وغیرہ دار الخلافت آگرہ کو روانہ کیا گیا ــــــ ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۴۱ ہجری میں چھ ماہ تک اس نعش کو روضہ تاج گنج کے صحن میں امانتاً سپرد کیا گیا۔ بعدہٗ اصل مقبرہ میں داخل کیا گیا۔

ممتاز محل کی تاریخ ولادت ۱۴ رجب ۱۰۰۱ ہجری مطابق اپریل ۱۵۹۳ عیسوی ہے اور تاریخ وفات ۱۷ ذیقعد ۱۰۴۰ ہجری مطابق ۱۷ جون ۱۶۳۱ عیسوی ہے۔ ان کے بطن سے بیس برس کے عرصے میں آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تولد ہوئیں جن کے نام و تاریخ پیدائش ہجری و عیسوی سنہ میں مندرجہ ذیل ہے:۔

	ماخوذ از رسالہ ساقی، دہلی، صفحہ ۳۰	ماخوذ از عمل صالح
حورالنساء بیگم	۸ صفر سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۶۱۳ء صفحہ ۶۷
جہاں آرا بیگم	۲۱ صفر سنہ ۱۰۲۳ھ	۱۲ اپریل سنہ ۱۶۱۴ء صفحہ ۳۸

دارا شکوہ	۲۹ صفر سنہ ۱۰۲۴ھ	۳۰ مارچ سنہ ۱۶۱۵ء صفحہ ۹۵
شاہ شجاع	۱۸ جمادی الآخر سنہ ۱۰۲۵ھ	۳ جولائی سنہ ۱۶۱۶ء صفحہ ۹۷
روشن آرا بیگم	۶ رمضان سنہ ۱۰۲۶ھ	۳ ستمبر سنہ ۱۶۱۷ء صفحہ ۱۰۶
اورنگ زیب	۱۵ ذیقعد سنہ ۱۰۲۷ھ	۳ نومبر سنہ ۱۶۱۸ء صفحہ ۱۱۹
امید بخش	۱۱ محرم سنہ ۱۰۲۹ھ	۱۵ ستمبر سنہ ۱۶۱۹ء صفحہ ۱۲۴
ثریا بانو	۲۰ رجب سنہ ۱۰۳۰ھ	۱۰ جون سنہ ۱۶۲۱ء صفحہ ۱۴۹
لڑکا	نام رکھنے سے پیشتر وفات ہوگیا سنہ ۱۰۳۲ھ	سنہ ۱۶۲۳ء
مراد بخش	۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۰۳۳ھ	۸ اکتوبر سنہ ۱۶۲۴ء صفحہ ۱۷۴
لطف اللہ	۱۴ صفر سنہ ۱۰۳۶ھ	۴ نومبر سنہ ۱۶۲۶ء صفحہ ۱۸۲
مرزا دولت افزا	۴ رمضان سنہ ۱۰۳۷ھ	۹ مئی سنہ ۱۶۲۸ء صفحہ ۲۶۷
حسن آرا بیگم	۱۰ رمضان سنہ ۱۰۳۹ھ	۲۳ اپریل سنہ ۱۶۳۰ء صفحہ ۳۴۱
گوہر آرا بیگم	۱۷ ذیقعد سنہ ۱۰۴۰ھ	۱۷ جون سنہ ۱۶۳۱ء صفحہ ۴۱۵

گوہر آرا کے ولادت کے وقت دردِ زہ کی وجہ سے ممتاز محل کا انتقال ہوا اور ممتاز محل کے وفات کے وقت مندرجہ بالا اولاد میں سے صرف چار لڑکے اور تین لڑکیاں حیات تھیں۔ بنام جہاں آرا بیگم، دارا شکوہ، شاہ شجاع، روشن آرا، اورنگ زیب، مراد بخش اور گوہر آرا بیگم۔

سردار ملک عنبر

[1] جب دکن کی لڑائیوں نے ادے پور کی لڑائیوں سے بھی زیادہ طول کھینچی اور سلطنت احمد نگر کے امراء جو سالہا سال تک مغلوں سے لڑتے رہے اور اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے

[1] مصنف مولوی سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۳۶

رہے، ان میں امراء دکن کا سرگروہ ملک عنبر سردار بھی تھا۔ وہ دکن میں نہایت لائق سپہ سالار اور بہادر نوجوان گزرا ہے۔ شہر احمد نگر ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس نے قلعۂ دولت آباد کے قریب کھڑکی نام کا ایک شہر بسایا اور اس کا صدر مقام بنایا جو بعد میں اورنگ آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں سے وہ بڑھ بڑھ کر مغلوں پہ حملے کرتا رہا۔ ان حملوں میں اس کو کئی بار کامیابی ہوئی۔ مغلوں کو زبردست نقصان اٹھا کر احمد نگر سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن سلطنتِ مغلیہ کے زبردست اور جنگی ساز و سامان کے مقابلے میں زیادہ عرصہ تک کسی کو لڑنے کی تاب نہ تھی۔ جب دکن کی مہم پر اودے پور کے فاتح شہزادہ خرّم کو بھیجا گیا۔ اس نے ملک عنبر کے فوجوں کو گھیر کر کئی جگہ شکست دی۔ ملک عنبر نظام شاہی کا وزیر تھا۔ اور بادشاہِ وقت کے بہت بڑے مقرب و ممتاز سرداروں میں سے تھا۔ افواجِ شاہی کی نقل و حرکت کے سلسلے میں جو دکن میں جاری تھی، سید صادق شاہ حسینی کے حضور میں آکر آپ کے فیضِ صحبت اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔ کئی بار آپ کی دعاؤں سے امورات مشکلہ پر فتح یاب ہوا۔ آپ کے شجرۂ چشتیہ کے ضمن میں ملک عنبر کا نام نامی مریدین میں شامل ہے۔ ۱۰۳۰ ہجری میں اس نے وفات پائی اور عنبر پور ضلع احمد نگر میں مدفون ہوا۔

مرتضیٰ نظام شاہ بحری

لہ مرتضیٰ نظام شاہ یہ حسین نظام شاہ بحری کا فرزند ہے اور اس کا عہدِ سلطنت ۱۰۱۰ ہجری سے ۱۰۴۲ ہجری تک مطابق ۱۶۰۱ء سے ۱۶۳۲ عیسوی تک

لہ مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — گلزار صادقی صفحہ ۴۵

رہا۔ اس بادشاہ کا حال لب التواریخ السلاطین میں مرقوم ہے۔ ملک دکن میں سلطنتِ نظام شاہی مشہور ہے۔ چنانچہ احمد نگر میں عمارات مساجد و قلعہ جات اس سلطنت کی چمک دمک دکھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امرائے نظام شاہی میں بہادر شاہ ابن ابراہیم نظام شاہ بحری ثانی کے بعد مرتضیٰ نظام شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ملکِ دکن میں چاروں طرف سے یورشیں ہو رہی تھیں۔ صوبۂ دکن میں احمد نگر، جنیر، ناسک کی طرف ہمیشہ بادشاہ دکن اور اس کے امرائے دولت کی آمد و رفت رہی ہے۔ انھیں ایام میں یہ ..... راسخ الاعتقاد بادشاہ سیّد صادق حسینی رح کے آستانہ پر آکر شرف بیعت و ارادت سے مشرف ہوا ہے۔ آپ کے شجرۂ چشتیہ کے ضمن میں اسکا نام نامی بھی مریدین میں بتایا گیا ہے۔[1]

شاہ جی یا ساہو جی

شاہ جی مالو جی بھونسلے کا بیٹا تھا، اور احمد نگر کے ایام زوال سلطنت میں جن مرہٹہ سپاہیوں اور سرداروں نے مغلوں کے خلاف ملک عنبر کا ہاتھ بٹایا تھا ان سرداروں میں سب سے زیادہ مشہور یہی شاہ جی بھونسلے تھا۔ والیٔ بیجا پور کی طرف سے مغلوں کے خلاف کئی سال تک لڑتا رہا لیکن جب خود بیجاپور کے بادشاہ نے شاہ جہاں سے صلح کر لی تو شاہ جی بھونسلے کو بھی مغلوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔ پونا اور سوپا پرگنے بیجاپور سرکار نے اس کو جاگیر میں عطا فرمائے۔ شاہ جی بھونسلے کو بیجاپور سرکار کی جانب سے

---

[1] مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۴۴-۴۵

پونہ اور سوپا دو پرگنے عطیات جاگیر تھے۔ اس بات کی تصدیق سر ایچ۔ ایم۔ الیسٹ نے اپنی کتاب "دی ہسٹری آف انڈیا" صفحہ ۲۴۶ پر کی ہے اور مصنف نے اس واقعہ کا حوالہ تاریخ منتخب اللباب مصنفہ خوافی خان سے لیا ہے۔ عبارت ذیل میں درج ہے:

"ملا احمد جو کہ بیجاپور شاہی سلسلہ سے وابستہ تھا اور جس نے اپنا وطن عرب چھوڑ کر ہندوستان میں آباد ہوا تھا اس کو تین پرگنہ بیجاپور سرکار سے عطا ہوئے تھے۔ اسی دوران شاہو جی بھونسلہ کو دو پرگنہ جاگیر عطا کی گئی، ایک پونہ اور دوسرا سوپا۔ شیواجی نے اپنے والد کی جانب سے ان دونوں پرگنوں کی نہایت دلچسپی اور احتیاط سے دیکھ بھال کی۔"

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ شاہ جی بھونسلہ نے حضرت سیّد عبدالکریم فرزند سیّد شاہ محمد صادق حسینی رح کو بیم گڈھ سے طلب فرما کر اپنے پاس ارباب مجلس میں جگہ دی تھی۔ اس واقعے سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ شاہ جی بھونسلہ کو حضرت سیّد عبدالکریم سے بڑی عقیدت تھی اور تاریخ گواہی دیتی ہے کہ شاہ جی کے والد مالوجی بھونسلا کو بھی اسی طرح ایک بزرگ صوفی شاہ شریف الدین رح سے نہایت عقیدت تھی۔ ان کو دو لڑکے تھے ایک کا نام شاہ جی اور دوسرے کا نام شریف جی تھا۔ شاہ شریف الدین رح کا مزار اقدس ضلع احمد نگر سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی نام دائرہ میں واقع ہے۔ مزار شریف کو کچھ پائیریاں ہیں اور زمین کی سطح سے کچھ اونچائی پر مزار تعمیر کیا ہوا ہے۔ اور یہ مزار مبارک آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ شاہ جی بھونسلا کی جاگیر کا گاؤں سوپا یہ پونہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے

پر ہے۔ یہاں پر شاہ منصور کا مزار شریف ہے اور ان بزرگ کا سالانہ عرس ماہ ذیقعدہ میں منایا جاتا ہے۔ شاہ جی کی تاریخ ولادت ۱۵۹۴ عیسوی ہے اور تاریخ وفات ۱۶۶۴ عیسوی ہے یعنی ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔

مہابت خاں سردار

لہ شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں یہ سردار ممتاز ترین امرا میں تھا۔ مدت دراز تک عہدہ وزارت اور سپہ سالاری پر فائز رہا۔ نور جہاں بیگم نے جہانگیر کو مہابت خاں کی قید سے آزاد کیا تو اس کو شہزادہ شاہ جہاں کے خلاف دکن میں روانہ کیا لیکن ۱۰۳۷ ہجری میں وہ جہانگیر سے بگڑ کر شاہ جہاں کے یہاں واسطے قدم بوسی حاضر ہوا۔ شاہ جہاں کا موکب اس وقت جنیر میں تھا۔ اس نے شاہ جہاں سے عفو تقصیر کی التماس کی۔ آخر شاہ جہاں نے اس کی تقصیر معاف کر دی اور بعدہٗ اس پر کمال عنایت فرمائیں۔ شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کے وقت مہابت خاں کو خان خاناں خطاب، سپہ سالاری کا عہدہ بچار قب طلا و زر سمیت خلعت، شمشیر و خنجر مرصع، علم، نقارہ، تومان، طوغ، طلائی زین کا اسپ خاصہ، نقرئی ہودج کا خاصے کا ہاتھی جس پر مخملی زربفت کی جھول، ہتھنی اور چار لاکھ روپیہ نقد عطا فرمایا، ہفت ہزاری ذات، ہفت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کے منصب سے سرفرازی بخشی۔"

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ محمد صادق حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے

لہ مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — گلزار صادق — صفحہ ۴۳
نیز مصنف محمد صالح کنبوہی — عمل صالح — صفحہ ۲۴۴

واقعات تاریخ ہند سے وابستہ ہیں۔ عہد صوبہ داری دکن میں شہزادہ خرم اپنے والد شہنشاہ جہانگیر سے کچھ وجوہات کی بناء پر بگڑ بیٹھے تھے۔ ان دنوں شہزادہ کو شاہی مراسلہ دستیاب ہوا جب کہ شہزادہ کا لشکر مقام سنگمیر میں خیمہ زن تھا۔ شاہی مراسلہ پڑھ کر اس کے بہی خواہوں کی گزارش پر یہ فیصلے کئے کہ مصلحت اسی میں ہے کہ سلطان دارا شکوہ اور سلطان اورنگ زیب کو خدمت میں پیش کر دیا جائے اور دونوں قلعے بھی بادشاہی آدمیوں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ ودیگر تاریخی واقعات شہزادہ خرم کا مع حرم ممتاز محل امراء و لشکر کا ناسک میں قیام و شہزادہ کی تاج پوشی وغیرہ کا بیان حضرت محمد صالح کنبوہی نے اپنی کتاب "عمل صالح المعروف بہ شاہ جہاں نامہ" میں نہایت تفصیل اور فصاحت و بلاغت میں تحریر فرمایا ہے جس کا کچھ اقتباس مندرجہ ذیل میں ناظرین کو پیش کیا جاتا ہے:

"۱۲ [۱] اسفندار ۲ جلوس ۳ جمادی الثانی ۱۰۳۵ ہجری (۲ مارچ ۱۶۲۶ عیسوی) پیر کے دن سلطان دارا شکوہ اور سلطان اورنگ زیب کو بڑے آئین سے درگاہ والا میں روانہ فرمایا۔ دو لاکھ روپیہ، نفیس اور تحفہ مرصع آلات، جواہر اور کوہ پیکر ہاتھی ان کے ساتھ دیئے کہ بطور پیش کش نظر عالی سے گذاریں، اور اسی کے ساتھ رہتاس اور اسیر گڑھ کے نگہبانوں کو فرمان بھیج دیئے کہ قلعوں کو بادشاہی آدمیوں کے سپرد کر کے حاضر خدمت ہوں۔

بعد ازاں اقبال مندی کی تحریک سے صوبۂ ناسک کی طرف روانہ ہوئے۔"

"ناسک [۲] میں پہنچ کر چند روز قیام فرمایا۔ دشوار منزلیں طے کرتے

---

[۱] مصنف مولوی محمد صالح کنبوہی — عمل صالح — صفحہ ۱۸۰-۱۸۱

[۲] مصنف مولوی محمد صالح کنبوہی — عمل صالح — صفحہ ۱۸۱-۱۸۶ اور ۱۹۱

اور کوچ و مقام کے انتظام سے طبیعت کو جو الجھن ہوئی تھی وہ اس مقام
سے رفع ہوگئی۔ تاہم سوئے اتفاق سے ناسک کی آب و ہوا تیے جوان ذنوں
دور نگے منافقوں کی طرح نقصاندہ تھی مزاجِ مبارک سے سازگاری نہ کی'
اس وجہ سے آپ کی طبیعت نہایت مکدّر ہوگئی۔ سوچا کہ تبدیلِ آب و ہوا کے
لیے یہاں سے نکلئے اور جہاں بھی جا ہے چلیئے۔ چوں کہ ٹھٹھہ جانے کا ارادہ
مدّت سے تھا اور حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ کسی دور دراز تفریح بخش
علاقہ میں چلے جائیں جہاں طبیعت کو فرحت حاصل ہو لہٰذا فیصلہ فرمایا کہ اس
ملک میں تفریح کر کے آئینۂ طبیعت سے کلفت و کدورت کا زنگ دُور کریں'
غرض ۲۳ رمضان ۱۰۳۵ ہجری (۱۸ جون ۱۶۲۶ عیسوی) ہفتے کے دن
ناسک سے کوچ فرمایا یعنی سوم جمادی الثانی ۱۰۳۵ ہجری مطابق ۲ مارچ
۱۶۲۶ عیسوی سے لے کر تاریخ ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۳۵ ہجری (۱۸
جون ۱۶۲۶ عیسوی) تک مکمّل ساڑھے تین مہینے شہزادہ خرّم ناسک میں
قیام پذیر رہے۔ اسی دوران راہ میں شاہ جہاں کو خبر ملی کہ جہانگیر اور سردار
مہابت خاں میں ان بن ہوگئی ہے اور اسے یہ امّید ہوئی کہ اس وقت
مہابت خاں اس کی طرفداری کریگا اس لئے شاہ جہاں ناسک سے اجمیر ہوتے
ہوئے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ۲۷ تیر ۲۱ جلوس (۱۷ جولائی ۱۶۲۶
عیسوی) کو اجمیر میں خیمہ زن ہوئے۔ یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح
کے مزار مبارک پر زیارت کر کے حسبِ دستور مجاوروں کو عطیے دیئے، اور
ناگور کے راستے سے آگے بڑھ کر ۴ مہر (۲۴ ستمبر ۱۶۲۶ عیسوی) کو نواح
ٹھٹھہ میں خیمہ زن ہوئے۔ یہاں پر شہریار کا ملازم شریف الملک حاکم تھا۔

وہ پانچ ہزار سوار اور زمین داروں کے بے شمار پیادے لے کر بڑی جسارت کے ساتھ لشکرِ شاہ جہان کے مقابل آیا۔ گو رکاب والا میں تین چار سو سے زیادہ سوار نہ تھے تاہم بہت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن شکست ہوئی۔

انھیں دنوں حضرت شاہجہاں سخت بیمار ہوئے اور طبیعت بے مزہ ہوگئی۔ ۳ آبان۔ ۶ صفر ۱۰۳۵ ہجری (۷ نومبر ۱۶۲۵ عیسوی) کو شاہ زادہ پرویز کے انتقال کی اور ۱۳ اردی بہشت ۴ ۱۰۳ ہجری (۳ مئی ۱۶۲۶ عیسوی) کو ملک عنبر حبشی کے مرنے کی خبر آپ کو پہنچی۔ لہٰذا واپس چلنے کا قصد کیا۔ ۲۲ روز ٹھٹھہ میں قیام رہا۔ اس سے زیادہ قیام آپ کو مناسب نہ معلوم ہوا ٹھٹھہ کے قیام میں ممتاز محل کے بطن سے شہزادہ تولد ہوا لطف اللہ اس کا نام رکھا۔ دکن جانے کی دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ لہٰذا ۱۸ صفر ۱۰۳۶ ہجری (۸ نومبر ۱۶۲۶ عیسوی) روز اتوار کو ولایت بہارہ کے راستے جو گجرات میں واقع ہے سواری دکن کو چلی۔ ٹھٹھہ سے ناسک تک کا فاصلہ ۴۰ کوچ و مقام سے طے ہوا۔ یکم آذر ۲۱ جلوس جہانگیری کو ناسک آ پہنچے۔ ناسک میں اس وقت شدید گرمی پڑ رہی تھی، مزاجِ مبارک کو راس نہ آئی۔ نظام الملک کی التماس کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ ما بدولت دارالخیر جنیر میں رہا کریں گے۔ جو بہت دل کشا خوش فضا جگہ ہے اور پانی میٹھا ہے۔ ۲۹ فروردین ۲۲ جلوس جہانگیری کو جنیر میں عنبر حبشی کی بنائی ہوئی خوش نما عمارتوں میں فروکش ہوئے۔"

یعنی شاہ جہاں ٹھٹھہ سے ناسک کو دوسری بار آئے اور ان کا مقام تاریخ یکم آذر ۲۱ جلوسِ جہانگیری تا ۲۹ فروردین ۲۲ جلوس تک (۲۱ اکتوبر ۱۶۲۶ عیسوی تا ۲۱ مارچ ۱۶۲۷ عیسوی) ناسک میں رہا۔ آپ ناسک میں مکمل پانچ ماہ قیام پذیر رہے۔

حضرت جہانگیر نے دمہ کی بیماری کی شدت سے ۱۵ آبان ۲۲ جلوس، ۲۸ صفر ۱۰۳۷ ہجری (۸ نومبر ۱۶۲۷ عیسوی) میں بہشت بریں کی راہ لی۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد نور جہاں بیگم شہریار کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی۔ لیکن آصف خان کو اپنی بہن کے بے ہودہ منصوبہ کی خبر ملی اور وہ شاہ جہاں کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا جو تخت کے لائق اور حقدار تھا اس لئے فیل خانہ کا ناظر بنارسی داروغہ کو آصف خان نے بلوایا اور حکم دیا کہ برق و باد کی طرح کوہ و دشت کو طے کر کے شاہ جہاں کی خدمت میں پہنچے۔ وقت نازک تھا۔ عریضہ لکھنے کی مہلت نہ تھی۔ سب باتیں زبانی سمجھا کر نشانی کے بطور اپنی انگوٹھی اسے دی کہ یہ پیش کر دینا غرض بنارسی داروغہ شبنبر سے دکن کا سفر بیس دن میں شہباز کی طرح طے کر کے جنیر میں داخل ہوا تو پہلے مہابت خان سے ملا جو اسی زمانے میں حضرت کی خدمت میں سرفراز ہوا تھا۔ اس کی وساطت سے شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت جہانگیر کے انتقال کا واقعہ سنایا اور آصف خان کی انگوٹھی بطور ثبوت شاہ جہاں کی خدمت میں پیش کی۔

" حضرتؒ اس غمناک خبر کو سن کر سخت غمگین ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عزاداری اور سوگ کے آداب ادا کرنے لگے۔ اسی وقت مہابت خان اور تمام ہی خواہ حاضر ہوئے اور کمالِ نیازمندی سے عرض کیا کہ ایسے وقت میں بالخصوص غنیم کے علاقہ میں جہاں دشمن زیادہ ہیں اور دوستوں کی تعداد کم ہے اس واقعہ کا اظہار و اعلان مناسب نہیں۔ دنیا اور اہلِ دنیا کا انتظام بادشاہت سے وابستہ ہے اور بادشاہت کی مصلحتیں اس حالت میں عزاداری وغیرہ کی اجازت نہیں دیتیں۔ صلاحِ وقت یہ ہے کہ نہایت عجلت کے ساتھ

لہ مصنفہ مولوی محمد صالح کمبوہ عملِ صالح صفحہ ۱۹۹ - ۲۰۰

دارالخلافہ آگرہ کی طرف قدم بڑھائیں تاکہ باغیوں اور دشمنوں کو فتنہ و فساد کا موقع نہ ملے۔ حضرت نے بہی خواہوں کی درخواست منظور کر کے ۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ ہجری (۲ دسمبر ۱۶۲۷ عیسوی) بروز جمعرات شبھ گھڑی میں جنیر دارالخیر سے گجرات کے راستے دارالخلافہ آگرہ کو روانہ ہو گئے۔"

(شاہجہاں کا قیام جنیر دارالخیر میں ۲۹ فروردین ۲۲ جلوس جہانگیری سے لے کر ۲۳ ربیع الاول ۱۰۳۷ ہجری (۲۲ مارچ ۱۶۲۷ عیسوی تا ۲ دسمبر ۱۶۲۷ ء) یعنے تقریباً آٹھ ماہ تک رہا۔ بتاریخ ۱۴ بہمن ۲۶ جمادی الاول ۱۰۳۷ ہجری۔ (۲ فروری ۱۶۲۸ عیسوی) بدھ کی شام کو لشکر اقبال آگرہ کے نواح میں دہرہ باغ میں خیمہ زن ہوا اور ۱۲ روز تک وہیں قیام رکھا۔ کیوں کہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہونے کے لئے نجومیوں نے جو مبارک ساعت مقرر کی تھی اس میں ۱۲ دن کی دیر تھی۔ چنانچہ ۱۲ دن گذرنے کے بعد آپ نے قلعۂ اکبر آباد کے دولت خانہ میں قدم رکھا اور یہاں پر آپ کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی۔

شاہجہاں کی آگرہ میں تاجپوشی

وہ دن جس کا زمانے کو ایک مدت سے انتظار تھا اور وہ صبح جس کا[1] آفتاب کو اشتیاق تھا طلوع ہوئی۔ برکت و سعادت کی امید بر آئی۔ اقبال مندی کی تمنا پوری ہوئی یعنی تختِ سلطنت کی زینت، تاجِ شاہی کی زیب برگزیدۂ الٰہی، آرائشِ عالم، ضامنِ امن و امان، مظہرِ فضلِ ربانی، ظلِ سبحانی شاہِ دین دار، شہنشاہِ عدالت شعار فخرِ سعادت و اقبال صاحب

---

[1] مصنف مولوی محمد صالح کنبوہی عملِ صالح صفحہ ۲۰۶ - ۲۱۲

قرآن ثانی حضرت شاہ جہاں ۵ بہمن ۔ ۷ جمادی الثانی ۱۰۳۷ ہجری (۱۴ فروری ۱۶۲۸ عیسوی) پیر کے روز جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ہونے کے سبب ہفتہ کا نہایت مبارک دن ہے۔ ساڑھے تین گھڑی دن چڑھے جو نجومیوں کے حساب سے ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ کے برابر ہے، دولت واقبال کو جلو میں لئے اپنی شہزادگی والی دولت خانہ سے مبارفتار گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے۔ خوش نصیبی کمربستہ اہتمام کرتی ہوئی آگے تھی اور فرماں برداری کا دامن تھامے ہوئے دولت پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ دائیں بائیں مسلح منصب دار تھے۔ اس جاہ وجلال کے ساتھ قلعۂ اکبرآباد کے دولت خانہ میں جس کی بلندی آسمان کی ہمسر ہے شبھ گھڑی میں فروکش ہوئے۔ عجب مبارک ساعت تھی، خوش نصیبی شگون لیتی تھی۔ المختصر حضرت نے تاج شاہی جس کے جواہرات ستاروں پر آنکھ مارتے تھے اور خلعت شاہی جس میں اطلس فلک کا استر تھا زیب تن فرمائے لعل سے مرصع پیٹی کمر سے باندھی اور شمشیر مرصع جس پر فتح و ظفر نثار تھی کمر میں لگائی۔ کمال شان و شکوہ سے پائے مبارک تخت پر رکھا۔ الحمدللہ کہ تخت و تاج کا مرتبہ بلند ہوا۔ تخت کو شادمانی ملی کہ زمین پر پاؤں نہ رکھتا تھا۔ اور تاج کا مرتبہ آسمان تک پہنچا۔ حضرت جب تخت پر بیٹھے تو چتر شاہی اس پر قربان ہوا بلکہ یوں کہئے کہ خوشی کے مارے خورشید کی طرح گھومنے لگا۔" حضرت کی کنیت ابوالمظفر اور لقب شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی مقرر ہوا۔ خواص و عام نے آپ کو مبارکباد اور دولت و اقبال کی زیادتی کے لئے دعائیں دیں۔ درباری شاعروں نے تہنیت کے قصیدے اور تاریخیں کہیں جس سے جشن تخت نشینی کا

سال نکلتا ہے۔ منجملہ حکیم رکنا کاشی مسیح نے یہ تاریخ پیش کر کے اس بادشاہ نکتہ داں سے انعام حاصل کیا۔

بادشاہِ زمانہ شاہ جہان
خرّم و شاد کامراں باشد
حکم او بر خلائقِ عالم
ہمچوں حکم خدا رواں باشد
بہرِ سالِ جلوس شہ گفتم
در جہان بادشا جہان باشد

امرائے سلطنت نے خوشی میں اتنے نقارے بجوائے کہ شور آسمان تک پہنچا۔ مقتضائے وقت کے لحاظ سے اربابِ نشاط نے بھی خوب خوب نغمہ سنجی کا حق ادا کیا۔ عیش و طرب اور کامرانی کے اس روز میں نہایت شان و شکوہ کا جشن منعقد ہوا۔ جس کی نظیر چشم مہر و ماہ نے ازل سے آج تک کسی بادشاہ کے جلوس میں نہیں دیکھی۔"

"جس روز شاہ جہاں نے تختِ خلافت کو زینت بخشی تو پہلا حکم جو نافذ فرمایا وہ یہ تھا کہ اس کے جدّا مجد اکبر بادشاہ کے زمانے سے جو سجدۂ تعظیمی بادشاہ کو کیا جاتا تھا اس کی ممانعت کردی اور زمین بوسی کے بجائے چار تسلیمات کا حکم دیا۔ سادات، عارفوں، خدا رسیدہ درویشوں، علماء و فضلاء کو جو خود تعظیم و تکریم کے لائق ہیں ان چار تسلیمات سے بھی معاف فرمایا تاکہ ان کا وقار برقرار رہے۔ ان کے لئے حاضری کے وقت محض سلام کا اور وداع کے وقت سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہوا۔

تاج پوشی کے بعد شاہ جہاں کے سکے کی اشرفی تیار ہوئی جس پر ایک طرف دونوں کلمے، اور خلفائے راشدین کے نام تھے اور دوسری جانب نام نامی اور القاب گرامی درج تھے نیز یہ بھی حکم نافذ ہوا کہ ہر سرکاری مراسلات پر اسلامی تاریخ لکھی جائے۔ اور اسلامی شریعت کے مطابق کچھ احکامات جاری ہوئے اور تاج پوشی کے وقت اونچے اونچے عہدے آصف خان اور مہابت خان کو دیئے گئے۔ بادشاہ کے دوست و بہی خواہوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام سے مالامال کیا گیا۔"

باب تیسرا

"حضرت کی کرامات اور پیشین گوئیاں۔ جاگیر واقعات لفظ سرمست کی تشریح۔ حضرت اور ان کی اولاد کا شجرہ مبارک۔ شاہ جہاں، نظام الملک، سردار ملک عنبر وغیرہ کا مریدی کا شجرہ۔"

حضرت کی کرامت

فی الحال جہاں آپ کا مزار شریف ہے اس کے مقابل محلہ جوگواڑہ میں پہلے ہندو جوگی اور بیراگی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت پانے کے بعد اس جگہ پر آپ نے قیام فرمایا۔ اور یہاں پر چالیس روز تک بے آب و دانہ حبسِ دم کر کے کھڑے رہے اس عالم استغراق کو دیکھ کر جوگی اور بیراگی متحیر ہو گئے اور ان کے دل پر حضرت کا بہت بڑا اثر پڑا۔ انھوں نے اپنے جادو کا اثر حضرت پر ڈالا اور ہر ممکن کوشش کی کہ حضرت یہاں سے کہیں دوسرے مقام پر چلے جائیں لیکن حضرت پر ان کے جادو سے کچھ اثر نہ ہوا۔ اس بات کو دیکھ کر وہ تمام لوگ آپ کے قدم پر گر پڑے اور عرض کی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے پیغمبرِ اسلام کا حکم ہوا ہے کہ یہاں اسلام کی روشنی پھیلاؤں

لہ مصنفہ مولوی سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزارِ صادق صفحہ ۴۹-۵۰

اور یہی جگہ میرے لئے مقرر ہوئی ہے اس لئے بہتر ہے کہ آپ ہی لوگ یہاں سے کسی دوسری طرف چلے جائیں۔ جوگیوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کی پھر آپ مراقبہ میں چلے گئے اور آپ نے اپنی روحانی طاقت سے اس جوگواڑہ کو الٹ دیا۔ کئی جوگی اور بیراگی مع اپنے مکانات کے زمین میں دھنس گئے اور اب اتنا طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی یہاں کی زمین کھودنے پر زمین سے جوگیوں کے کھانے پینے کے برتن خواہ وہ مٹی کے ہوں یا کسی دھاتو کے، الٹی ہوئی حالت میں ملتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق کے لئے مؤلف نے چند مقامی لوگوں سے جو حال میں محلہ جوگواڑہ میں آباد ہیں تفتیش کی اور انھوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ جب کبھی مکانات کی مرمت یا تعمیری کام کے لئے زمین کھودی گئی تو ان کو بسا اوقات مٹی کے برتن یعنی صحنک، رکابی، صراحی یا تانبے پیتل کے برتن وغیرہ اوندھی حالت میں دستیاب ہوئے۔ بعض اوقات ہڈیوں کے ٹکڑے اور پیرلتے سکے بھی ملے۔ جن صاحبان سے اس بات کی تصدیق کی گئی ان کے نام ہیں جناب محمد شریف ابن لفاطی انصاری گلشن آبادی، جناب مرزا لعل بیگ چھوٹو بیگ اور جناب عبداللطیف عثمان غنی انصاری۔ یہ تینوں صاحبان برسوں سے محلہ جوگواڑہ میں آباد ہیں اور کافی عمر رسیدہ اور فی الحال بقید حیات ہیں۔

یہ بات مسموع ہے کہ جوگواڑہ میں جوگی اور بیراگی رہا کرتے تھے وہ حضرت شاہ محمد صادق حسینی رح کے ناسک میں قدوم مبارک آنے سے پیشتر اپنے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کے لئے جوگواڑہ سے اتر کر ہیل باوڑی پر آتے۔ اس میں اشنان کرنے کے بعد واپس مندر میں جا کر پوجا کیا کرتے تھے۔ سنا گیا ہے کہ جوگی لوگ اپنے دور میں اس ہیل باوڑی کو سورنیا کنڈ یا یوگی کنڈ کہتے تھے، ہیل باوڑی

جو گوارٹے سے تقریباً دو ڈھائی سو قدم کے فاصلے پر ہے۔ یہ باوڑی پختہ پتھروں کے چیروں سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے تین طرف پتھر کی چیرہ بندی یا پیریاں تھیں اور چوتھی بازو مضبوط مکان کی سنگین دیوار ہے۔ باوڑی میں عموماً سال بھر پانی رہتا تھا صرف موسم گرما میں چند دنوں کے لئے کم ہو جاتا۔ دیگر مہینوں میں اس باوڑی کے اطراف کے باشندوں کی یہ باوڑی پانی کی غرض پوری کر دیتی تھی۔ پندرہ سولہ سال کا تقریباً عرصہ ہوا کہ ناسک شہر منسپل کمیٹی نے اس باوڑی کو بند کر دیا۔ اور اس میں مٹی، کچرا کوڑا ڈال کر زمین کی سطح کے برابر کر دی۔ بند کرنے کے دو وجوہات نظر آتے ہیں ایک تو شہر میں نل آنے کی وجہ سے پانی کی افراط ہو گئی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ باشندوں کے حفظان الصحت کا خیال مدنظر رکھا گیا ہے۔

دوسری کرامت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت سید صادق شاہ حسینی رح کے وصال کے چند سال اوّل اور چند سال بعد کے قلیل عرصے میں بارش کی بہت قلّت ہوئی جس کی وجہ سے دو تین قحط سالیاں ہوئیں اور اکثر طاعون اور وبائی بیماریاں پھیل جاتی تھیں۔ اسی اثنا میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ناسک شہر اور اطراف کے شہروں میں متواتر دو سال بارش کی ایک بوند بھی نہیں ہوئی۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے کھیتوں میں غلّہ وغیرہ پیدا نہیں ہوا۔ ندیاں اور نہریں خشک ہو گئیں یہاں تک کہ لوگوں کو پینے کے لئے پانی بھی بمشکل میسّر ہونے لگا۔ کھیت جو

ملہ:۔ مصنف مولوی سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزارِ صادق صفحہ ۴۹ - ۵۰

مصنف سر ایچ۔ ایم۔ الیئٹ شاہجہاں صفحہ ۲۶ - ۲۷

مصنف موجمدار رے چودھری دتا ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۴۷۳

ہمیشہ ہرے بھرے، سرسبز اور لہلہاتے ہوئے نظر آتے تھے ان میں خس و خاشاک اڑنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں قحط واقع ہوا۔ گرانی حد سے زیادہ تجاوز کر گئی۔ گرانی کی وجہ سے چند لوگوں نے اپنا وطن چھوڑ کر اطراف کے اضلاعات میں چلے گئے اور باقی لوگ جو کسی مجبوری کے تحت وطن نہیں چھوڑ سکتے تھے، قحط کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے ناسک ہی میں آباد رہے۔ اس قحط کی لپیٹ میں امیر و غریب، فقیر و غنی، سب ہی آگئے۔ لوگ فاقہ کشی کرنے لگے اور کچھ لوگ قحط کے باعث موت کے گھاٹ اتر گئے۔ انھیں ایام میں حضرت کی اولادیں جو لوگ ناسک میں آباد تھے ان پر بھی فاقہ کشی کی نوبت آن پہنچی۔ لہٰذا چند ضعیف اور بزرگ لوگ اپنے جدّا مجد کے مزار شریف پر جا کر گریہ زاری کرنے لگے اور انھوں نے اس قحط سالی سے نجات پانے کے لئے دعا مانگی۔ اُن کے دل میں یک بیک یہ خیال آیا گویا ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ حضرت کے مزار شریف کے اطراف میں کثرت سے گلِ عبّاس کی گنجان جھاڑیاں ہیں، ان کے قند کھود کر کھائیں۔ لہٰذا ہر ایک شخص نے یہی سوچا کہ کیوں نہ ان قندوں کو کھودیں اور کھائیں۔ پس ہر ایک شخص اپنی مرضی سے حسبِ ضرورت قند کھودنے لگا۔ قدرتِ الٰہی سے ان قندوں کی جڑوں میں سے بہت سے فلوس نقری (چاندی کے سکّے) ان کے لئے برآمد ہوتے اور یہ لوگ ان فلوسِ نقری سے اپنی بسر اوقات کرتے۔ یہ تھا حضرت کی نظرِ کرم کا اثر، جو تنگ دستی اور وقتِ مصیبت میں ان بزرگوں کے کام آیا۔ چند دنوں کے بعد شہر میں قحط سالی کا اثر کم ہو گیا اور گرانی بھی جاتی رہی اور شہر کی زندگی حسبِ معمول پر آگئی۔ جو جو لوگ تلاشِ معاش کے لئے وطن چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ اپنے وطن کو واپس

چلے آئے۔

ہندوستان کے تاریخ نویسوں نے بھی دکن کی قحط سالی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور وہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ قحط سالی اس قدر سخت اور جانکاہ تھی کہ غلہ نصیب نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اپنی جان بچانے کے لیئے خود کے لخت جگروں کو فروخت کر دیا۔ بکرے کے گوشت کے عوض کتے کا گوشت بازار میں بیچا گیا اور آٹے کی کمیابی کی وجہ سے بیوپاریوں نے آٹے میں ہڈیوں کا سفوف ملا کر فروخت کیا۔ جو لوگ فاقہ کشی کے باعث مرجاتے ان کو دفنانے یا جلانے کے لیئے آدمی میسر نہ ہوتے تھے۔ اس قحط سالی کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ مورخ ایچ ایم الیئیٹ صاحب نے کتاب "شاہ جہاں" اور مصنف موجدار صاحب نے کتاب "ایڈوہانس ہسٹری آف انڈیا" میں کیا ہے جس کے مطالعے سے آدمی کا دل لرز جاتا ہے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور نہایت سنگ دل آدمی کی آنکھ میں بھی آنسو بھر آتے ہیں۔

پہلی پیشین گوئی

ایک مرتبہ شہزادہ خرم آپ کے آستانہ مبارک پر شرفِ ملاقات کے لیئے حاضر ہوا۔ بعد از ملاقات و حصولِ فیض و برکات دولت خانہ سے لوٹتے وقت شہزادہ نے حضرت سے التماس کی کہ مجھ کو یہاں سے تخت نشینی کے لیئے لے جانے کون آئے گا؟ اور کس وقت آئے گا؟ اس وقت حضرت نے جواب دیا کہ شہزادہ کو لینے کے لیئے بنام مہابت خان آئے گا۔ چنانچہ یہ بات صحیح ہوئی کہ شہنشاہ جہانگیر کی رحلت کے بعد شہزادہ خرم مہابت کے توسط سے آگرہ آیا اور تختِ سلطانی پر جلوہ افروز ہوا۔

لے مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزار صادق صفحہ ۱۹-۲۴-۴۹

دوسری پیشین گوئی یہ ہے کہ شہزادہ خرم بارگاہِ سید صادق شاہ حسینیؒ میں حاضر تھا کہ حضرت نے شہزادہ خرم کو قریب بلا کر جبرا بٹھایا۔ اس کشمکش میں شہزادہ خرم کی دستار سر سے اتر کر کانوں پر گرا چاہتی تھی جس کو حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے درست فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگر یہ دستار زمین پر گر جاتی تو شہزادے کو تختِ ہند نصیب نہ ہوتا چنانچہ شہنشاہِ جہانگیر کے انتقال کے بعد شہزادہ خرم "شاہ جہاں" بن کر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور شہنشاہِ ہند کہلایا۔

تیسری پیشین گوئی یہ ہے کہ شہزادہ خرم نے دکن سے ہندوستان جانے کا قصد کیا چنانچہ اپنے پیر و مرشد کی ملاقات سے فیض یاب ہونے کے لئے دربارِ حسینی میں حاضر ہوا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت شاہ محمد صادق حسینی رحؒ نے زبانِ گوہر بار سے شہزادہ کو ارشاد فرمایا کہ اب میرے اور تمہارے مابین بس یہی ملاقات ہے۔ یہ بات سن کر شہزادہ خرم نے دریافت کیا "قبلہ من سلامت" یہ سخن کیسے صادر ہوا؟ حضرت نے فرمایا ماہِ ذی الحجہ تاریخ ۱۶۔ یہ مذبذب کلمہ شہزادہ خرم سمجھ گیا اور قلم بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور رخصت ہو گیا۔ آخر عمر میں حضرت صادق شاہ حسینیؒ نے پیالۂ وصالِ الٰہی اسی تاریخ کو نوش فرمایا یعنے ۱۶ ماہ ذی الحجہ ہی کو آپ کا وصال ہوا اور آج تک یہی تاریخ حضرت کے وصال کی سمجھی اور منائی جاتی ہے۔

جاگیر و انعامات

اس بات کا تذکرہ اوّل ہو چکا ہے کہ شہنشاہِ شاہ جہاں ایام شہزادگی میں مع ممتاز محل اور دیگر ارکینِ سلطنت حضرت کا مُرید ہوا تھا اور شاہ جہاں کو حضرت سے زیادہ عقیدت تھی۔ دورانِ قیام ناسک میں حضرت

کے آستانۂ مبارک پر لیسا اوقات حاضری دیتا اور ملاقات سے فیض یاب ہوتا۔ چنانچہ شاہ جہاں تختِ شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوتے ہی تھوڑے عرصے بعد اپنے پیر حق نما کے مقبرہ و مساجد و خانقاہ کے خرچ کے لئے فرمان جاری کیئے۔ پانچ گاؤں، بہت سے باغات و دیگر اراضیات بطور انعام عطا فرمائے۔ دو گاؤں سرکار نے پہلے ہی ضبط کر لیئے رہے تین۔ یہ تین گاؤں کے نام ہیں قصبۂ اندورسے پرگنہ ڈنڈوری، قصبۂ سات پور پرگنہ گلشن آباد اور قصبۂ گلونج پرگنہ سنر۔ ان تین گاؤں انعامات میں سے شروع ہی سے حضرت کی اولاد نے گلونج پر اپنا تصرف نہیں کیا بلکہ دو گاؤں سات پور اور اندورسے اور دیگر باغات و اراضیات پر اکتفا کرلیا۔ یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی رحمہ کے وصال کے بعد بھی شاہانِ مغلیہ نے حضرت کی اولاد یعنی سید ضیاء اللہ وغیرہ فرزندانِ حضرت مرحوم سید صادق شاہ حسینی رحمہ کو بھی اسناد عطا فرمائے اور انعامات جاری رکھے۔ اسی طرح مغلیہ دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد پیشواؤں نے اور سرکارِ برطانیہ نے بھی ان انعامات و جاگیرات کو برقرار و بحال رکھا۔ اور حضرت کی اولاد کو اس معاملے میں اسناد بھی عطا فرمائے۔ ان تینوں قصبات کے اسناد و دیگر اہم کاغذات و دستاویزات جو مغل سلاطین، پیشوا اور حکومتِ برطانیہ نے حضرت کی اولاد کو عطا فرمائے مولف ہٰذا کے پاس محفوظ و موجود ہیں۔

سلطنتِ مغلیہ اور حکومتِ مراٹھا کا سورج غروب ہونے کے بعد دورِ برطانیہ آیا اور سلطنتِ برطانیہ کے چند سال گذرنے کے بعد عمالانِ سرکارِ برطانیہ نے ان دونوں قصبوں یعنی قصبۂ اندورسے اور قصبۂ سات پور کا قبضہ و تصرف اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان دونوں قصبوں کو سمری سیٹلمینٹ میں شامل کر لیا۔ اس لیئے ان موضع جات کے وصول کے عوض نقد روپیہ ایک ہزار تیس سالانہ سرکارِ برطانیہ کے خزانے سے ادا ہونے کا سرکاری حکم صادر ہوا۔ موضع سات پور کے عوض چھ سو ساٹھ روپیہ اور موضع اندورسے کے عوض تین سو ستر روپیہ جملہ دس سو

تیس روپیہ مقرر کیے گئے۔ اور اس سرکاری حکم کے مطابق یہ رقم ہر سال سرکاری خزانے سے ملتی رہی ماسوا یہ ایک ہزار تیس روپیوں کے اراضیات کی آمدنی و کرایہ و دیگر آمدنی جو کچھ بھی سال بھر میں ملتی رہی وہ درگاہ شریف، مساجد، مسافرخانہ، نقارخانہ کی صفائی و مرمت و چراغ بتی و سالانہ عرس و ہر دو صندل شریف و درگاہ کے متعلق متفرق خرچ و دیگر کل اسلامی تقاریب شبِ برات، شبِ قدر، شبِ معراج، گیارہویں شریف، بارہ وفات، محرم شریف وغیرہ وغیرہ پر خرچ ہوتی رہی۔ اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الحال مہاراشٹر سرکار نے دی بامبے پرسنل انعام ابولیشن ایکٹ سنہ ۱۹۵۲ء کے تحت یہ سیٹلمینٹ کی رقم (یعنی کیاش الاؤنس) کا ادا کرنا بند کر دیا ہے۔ اور سرِ دست سرکاری خزانہ سے ایک کوڑی بھی نہیں ملتی۔

لفظ سرمست کی تشریح

حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی رح ایک عرصہ تک پاولا گڈھ (گجرات) میں جوان کے پیرِ حق نما حضرت مخدوم شاہ سدّھن سرمست کا مقامِ سکونت تھا، کر مدت تک اپنے مرشد کی خدمت کی۔ اور فیوض باطنی حاصل کیا اور ان سے بیعت لی۔ مُریدی میں یہ طریقہ ہے کہ پیر سے بیعت لینے کے بعد مُرید اپنے پیر کے نام و سلسلہ کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیتا ہے مثلاً رضوی، اشرفی، حسنی، ہاشمی، قاسمی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت نے اپنے پیر و مرشد کا نام اپنے نام کے ساتھ "سرمست" منسوب کر لیا۔ لیکن چند مطلب و باطل پرست لوگ اس لفظ "سرمست" کے معنی مجرّد بتا کر اس لفظ کے غلط معنی اخذ کر کے اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مجرّد تھے اور ان کو اولاد نہیں تھی۔ لہٰذا اس باب میں مندرجۂ ذیل پانچ دلیلیں صاف ثبوت دیتی ہیں کہ حضرت مجرّد نہیں تھے بلکہ شادی شدہ تھے اور صاحبِ اولاد تھے۔ اور ان کی اولاد ناسک میں آباد ہے۔

پہلا ثبوت یہ ہے کہ لفظ سرمست کے خود معنی کسی بھی اردو یا فارسی لغت میں مجرّد نہیں بتایا گیا ہے۔ بلکہ مانی ہوئی لغت کشوری صفحہ ۲۸۱ پر لفظ سرمست کے معنی متوالا

یا وہ شخص جو نشہ میں مدہوش ہو" بتایا ہے۔ فیروز اللغات صفحہ ۹۱۴ پر سرمست کے معنی "متوالا، مدہوش، نشے میں چور" بتایا ہے اور کریم اللغات صفحہ ۹۰ پر سرمست کے معنی "متوالا، نشائی، جو شخص مدہوش نشے میں ہو" بتایا ہے۔ ان تینوں لغتوں میں سرمست کے معنی مجرد نہیں بتایا گیا ہے اردو علم ادب میں جو شخص دنیوی شراب پی کر مدہوش ہوتا ہے اس کو زندہ بدمست یا سیاہ مست کہتے ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ یا اہلِ تصوف ہستی جو شراب طہورا پی کر اللہ کی یاد میں مدہوش ہوتے ہیں ان کو سرمست کہا جاتا ہے۔ لفظ بدمست یا سیاہ مست اور سرمست یہ ایک دوسرے کی ضد میں استعمال ہوتا ہے۔ دیگر سرپنچ، سردیش مکھ، سردلیسائی، سرنا ئیک، سرعیٹنس اور سرنیا بودھیش وغیرہ وغیرہ یہ الفاظ مراٹھی زبان کے ہیں۔ ان الفاظوں کی لفظ سرمست کی کوئی نسبت نہیں سرمست یہ خود اکیلا لفظ ہے اور یہ زبانِ فارسی کا لفظ ہے۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ شہنشاہِ عالمگیر جو مغل شہنشاہوں میں حلد درجہ کا مشرع پرست شہنشاہ ہو گزرا ہے اور جس کی تصنیف فتاویٰ عالمگیری ہندوستان بھر میں مشہور و معروف اور مستند کتاب مانی جاتی ہے ایسی ہستی نے اپنی باُمہر سند حضرت کے وصال کے بعد ان کی اولاد کو عطا فرمائی۔ اس سند میں یہ عبارت تحریر ہے: "سید نعمت اللہ وغیرہ فرزندانِ سید صادق شاہ مرحوم"۔ اگر یہ حضرت مجرد ہوتے تو شہنشاہِ عالمگیر اپنی سند میں ایسی عبارت ہرگز ہرگز تحریر نہ فرماتے۔ اور اس سند پر اپنی مہر شاہی ہرگز ثبت نہ کرتے۔ شہنشاہِ عالمگیر کی وفات کے بعد شہنشاہ شاہ عالم نے اپنے پدر بزرگوار کی سند کا اجراء کیا۔ اور اپنی شاہی مہر سے دوسری سند حضرت کی اولاد میں سے جو اس وقت حیات تھے ان کو عطا فرمائی اور سند مذکور میں بھی عبارت اس طرح تحریر ہے "برائے روشنائی مساجد و مقبرہ و خانقاہ سید صادق مرحوم حسب الضمن در وجہ مدد معاش سید ضیاء اللہ وغیرہ یا فرزندان مقرر است" ان اسناد کی تحریر خود ثبوت دیتی ہے کہ سید نعمت اللہ و سید ضیاء اللہ صاحبان حضرت کے فرزندان تھے۔

اور اسناد ان کو عطا کی گئی تھیں۔ دونوں اسناد کی نقلیں قارئین کے اطمینان و یقین کے لئے پیش نظر کی گئی ہیں۔ مغلیہ دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد مراٹھا دورِ حکومت میں بھی پیشواؤں نے حضرت کی اولاد کو اسناد عطا فرمائیں جن کی تحریر موڑی رسم الخط ہے۔ اس باعث ان کی نقلیں پیش نہیں کی گئیں۔ مراٹھا دورِ حکومت کا زوال ہونے کے بعد سرکار برطانیہ نے بھی سندوں کو اجراء کیا۔

شہنشاہِ عالمگیر کی سند کی نقل

عالمگیر ۱۱۱۵ مرید یاد ۱۰۴۷ خواجہ

ا

نقل

عالمگیر شاہ ... دیانت خان

گماشتہائے متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ گلشن آباد و ندوری سرکار سنگمنیر مضاف بصوبۂ خجستہ بنیاد بدانند کہ بموجب دو قطعہ فرمان والاشان قبل از جلوس دو موضع در دبست موازی نیم چاور زمین بگز شرعی باغات و یکنیم آثار تیل بوزن خام بجہت روشنائی مساجد و مقبرہ و خانقاہ واز آنجملہ یک موضع اندورا معمولہ پرگنہ دندوری دیک موضع سات پورا عمال پرگنہ گلشن آباد و موازی نیم چاور زمین باغات و یکنیم آثار تیل از حاصل قصبہ مذکورہ در وجہ مدد معاش سید نعمت اللہ و غیرہ فرزندان سید صادق مرحوم مقرر بودہ آنہا ولعیت حیوۃ سپردند بعد فوت آنہا مطابق پروانہ امیر الامرا مواضع و اراضی وغیرہ بنام نبیرہ(ہا) و متعلقان و متوفیان بلا وضع حصہ فوتی بحال ماند برطبق نشان والاشان و پروانہ مکرر متخان دیوان

پیشین حاصل نمودہ البس ازآن حاجی شفیع خان مرحوم موضع اندورا کہ در خالصہ
شریف بود حصہ مقرر کردہ ازآن دو حصہ فوت وضع نمودہ سہ حصہ موضع مذبور و
موضع سات پور در وبست اراضی وغیرہ بحال داشتہ موافق پروانہ حسب الامر
بمہر امانت خان مرحوم وخواجہ کمال صدر دو حصہ موضع اندورا کہ حاجی شفیع خان
بازیافت نمودہ قابض شدہ اند بنا برآن سہ حصہ موضع اندورا و موضع سات پور و
اراضی وتیل بدستور سابق بشرط قبض وتصرف بحال گردیدہ برطبق آن پروانہ
بمہر سیادت و وزارت مرتبت خان والاشان دیانت خان و شیخ معزالدین صدر
واقصر القضاۃ قاضی محمد اکرم خان وپروانہ معتمد خان دیوان وخواجہ محمد سلیم صدر
مرحوم گرفتہ مواضع واراضی وغیرہ قابض ومتصرف اند وسند بمہر معتمد خان مرحوم
وانیجانب حاصل نمودہ بودند بدزدی رفتہ لہذا مواضع واراضی مذبوراو غیرہ بہ
دستور سابق حسب الضمن بنام نبایر و متعلقین سید صادق مرحوم مقرر وبحال
داشتہ است باید کہ واگذارند تا حاصلات آنرا صرف ما یحتاج خود ہا نمودا بدعا
گوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال میمنودا باشند درین باب تاکید تمام
دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ پنجم شہر رمضان المبارک سنہ
مسعولا۔ جلوس میمنت مانوس سعد

شہنشاہ شاہ عالم بادشاہ غازی کی سند کی نقل

(۱)

گماشتہای جاگیرداران وکروڑیان حال و استقبال پرگنہ گلشن آباد و ذندوری سرکار سنگمنیر صوبہ خجستہ بنیاد بدانند که موافق دو قطعہ فرمان والاشان پیش از جلوس مبارک وپروانہ بمہر صدر الصدور سید امجد خاں صدر جہان و نواب نظام الملک آصف الدولہ وحلیتہ الملک مدار المہام موضع سات پور دو و نیم پرگنہ گلشن آباد و سہ حصہ موضع اندورا پرگنہ ذندوری دو نیم چاور زمین بگز شرعی و آب و نہر و یکنیم سیر تیل بوزن خام از حاصل قصبہ پرگنہ مذکور برائے روشنائی مساجد و خانقاہ سید صادق مرحوم حسب الضمن در وجہ مدد معاش سید ضیاء اللہ وغیرہ با فرزندان مقرراست باید کہ مطابق اسناد مرقومہ بعمل آورده دہات و اراضی ذیل مرقومہ را بدستور سابق بشرط قبض و تصرف بتصرف آنہا واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بدعائی دوام دولت ابد مدت اشتغال مینمودہ باشند و اگر در محل دیگر چیزی داشتہ باشند آنرا اعتبار نمایند۔

۱۴ ربیع الاول سنہ ۴ جلوس والا سعد

تیسرا ثبوت یہ ہے کہ حضرت کا ایک مقبرہ ہے۔ اس مقبرہ پر دو تعویذ ہیں ایک مردانہ و دوسرا زنانہ۔ ایک تعویذ حضرت کا ہے جو مزار شریف کے قبلہ رُخ ہے اور دوسرا تعویذ آپ کی زوجۂ محترمہ کا، جو مزار شریف کے مشرق کی جانب ہے۔ گر چہ آپ مجرد ہوتے تو آپ کی قبر پر صرف ایک تعویذ ہوتا دو تعویذوں کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ حضرت کا مزار شریف مرجع خلائق ہے۔ زائرین خود مزار شریف کی زیارت کر کے اپنی آنکھ سے دیکھ کر اس بات کے قائل ہوسکتے ہیں اور اطمینان بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

چوتھا ثبوت یہ ہے کہ ۱۸۸۲ء عیسوی میں ایک انگریز مصنف مسٹر جیمس ایم۔ کیامبل نے اپنی مستند کتاب "دی بامبے گیازیٹیر" ضلع ناسک کے حالات میں حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی کا حال مرقوم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت کی اولاد ناسک میں آباد ہے گرچہ حضرت مجرد ہوتے تو ایک انگریز جس کو حضرت سے اور ان کی اولاد سے دُور کا بھی واسطہ نہیں وہ شخص بغیر تحقیق کیے اور بغیر ثبوت کے اپنی کتاب میں یہ بات کیونکر درج کرتا؟ کتاب کی عبارت ثبوت دیتی ہے کہ حضرت صاحب اولاد ہیں۔ اور ان کی اولاد ناسک شہر میں آباد ہے۔ گیازیٹیر صفحہ ۷۵-۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔

پانچواں ثبوت یہ ہے کہ شہزادہ خرم اپنے ایام شہزادگی میں مع اپنی اہلیہ ممتاز محل اور رؤسا و امراء وارا کین سلطنت دوران قیام ناسک کے حضرت کا مرید ہوا تھا بیعت سے مشرف ہونے کے بعد اپنے پیر برحق کو ایک لاکھ روپیہ نقد، پانچ ہاتھی، دس تیز رفتار گھوڑے مع ساز و سامان طلائی حضرت کی خدمت میں نذر عقیدت پیش کی۔ لیکن یہ نذر حضرت نے قبول نہیں فرمائی بلکہ اپنے ایک فرزند سید شبیر محمد کے حوالے کر دی۔ اور ان کو یہ ہدایت کی کہ تمام نذر حق سیاہ ہے اس کو لشکر کے تمام لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ یہ واقعہ ثبوت دیتا ہے کہ حضرت صاحب اولاد تھے۔ اور ان کی اولاد میں ایک فرزند کا نام

سید بشیر محمد تھا۔

مندرجہ بالا پانچوں اثبات کے مطالعہ کے بعد بھی نااہل، مطلب و باطل پرست لوگ حضرت کو مجرد بتائیں تو ایسے لوگ یقیناً حقیقت نواز نہیں ہیں بلکہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ اور باطل کے سراسر پجاری ہیں۔ اور آنکھ ہوتے ہوئے یہ لوگ نابینا بنتے ہیں۔ اولیاء کرام مجرد نہ ہوتے ہوئے ان کو مجرد بتانا یا کہنا ان کی شان میں ایک قسم کی افترا اور بڑی گستاخی ہے۔ جو لوگ اپنے مطلب براری کے لئے سچ کو جھوٹ میں ملاتے ہیں، اور جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں اس معاملے میں خداوند کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥

(پارہ الم۔ سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۵۔ آیت ۴۲)

ترجمہ:۔ اور مت ملاؤ صحیح میں جھوٹ اور نہ کہ چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔

ان لوگوں کا یہ عمل گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ خداوند کریم ان صاحبان کو عقل سلیم عطا فرما دے تاکہ یہ لوگ باطل پرستی چھوڑ کر حق پرست اور حقیقت نواز بن جائیں آمین۔

ناظرین کی معلومات کے اضافہ کے لئے ایک بات اور تحریر کی جاتی ہے کہ شروع انگریزی حکومت میں برطانیہ سرکار نے ہندوستان کے ہر صوبہ کے لئے سرکاری فرمان جاری کیا کہ ہندوستان کے کل جاگیرداران، انعامداران، وظن داران و یومیہ داران وغیرہ لوگوں نے اپنے اپنے جاگیر اور انعام پر حق ثابت کرنے کیلئے اپنے اسناد و دیگر دستاویزات کو صوبہ انعام سیٹلمنٹ کمشنر کے دفتر میں حاضر کریں تاکہ ان اسناد و دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور یقینی ثبوت پانے کے بعد ان جاگیرات کا ریکارڈ تیار کر کے سرکار برطانیہ ان جاگیر و انعامات کو بحال و برقرار رکھے اور ان اصل اسناد و دستاویزات کی صحیح نقلیں سرکاری دفاتر میں

محفوظ رکھی جائیں تاکہ آئندہ میں وقتِ ضرورت انہیں کاغذات کے حوالے سرکاری طور سے ثبوت وسہارا لیا جائے۔ چنانچہ ناسک اس وقت صوبۂ بمبئی کی حد میں شامل تھا اور صوبۂ بمبئی کے لئے پونہ میں انعام سیٹلمنٹ آفس سرکار نے مقرر کی۔ لہٰذا اس وقت کے حضرات نے حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی رح کی اولاد کو عطا کردہ شہنشاہی و پیشوائی اسناد و دیگر اہم کاغذات بمقام پونہ الینیشن (Alienation) آفس میں پیش کیے اور ان اسناد و کاغذات کے ساتھ حضرت کی اولاد کا شجرہ اور اس شجرہ کے ساتھ خلاصہ دینے والا ایک علاحدہ کیفیت نامہ بتاریخ ۲۲۔۲۳ جولائی ۱۸۵۴ عیسوی میں اسی دفتر میں پیش کیا۔
اس کیفیت نامہ میں کیفیت پیش کنندگان میر غلام حسین ولد میر عباس علی اور سید عمر ولد سید میر نے یہ بات واضح طور پر بتائی ہے کہ ان دونوں صاحبان کا حضرت سید صادق شاہ حسینی سرمست رح سے نسلی رشتہ نہیں ہے البتہ ان دونوں صاحبان کی مائیں یعنی خیرو بی بی عمّا اور لاڈلی بی بی صاحبہ حضرت کی خاندان سے ہیں اور کیفیت پیش کردگان کے والد یعنی میر عباس علی اور سید میر یہ کسی دوسرے خاندان سے ہیں لہٰذا ان دونوں صاحبان نے یہ بات بالکل صاف طور سے اپنی خود نوشتہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت پیر سید صادق شاہ حسینی سرمست رح کے خاندان سے نہیں ہیں۔ ان دونوں صاحبان کی خود نوشتہ تحریری کیفیت کا اقتباس مندرجۂ ذیل ہے:

"ہم دونوں نے جو ہمارے والد کے نام کیفیت نامہ میں بتلائے ہیں وہ صحیح ہیں لیکن والد اس خاندان سے نہیں ہیں اس لئے ہمارے والد کا نام اس شجرہ میں نہیں آسکتا۔ ہم دونوں بھی لڑکیوں کی شاخ سے آتے ہیں۔ اس لئے ہمارے باپ کا نام نہ لکھتے ہوئے ہم نے اپنی اپنی ماؤں کے نام لکھے ہیں۔"

اور کیفیت نامہ پر ماؤلی کے نام سے دستخطیں بھی کی ہیں۔ دستخطیں مندرجۂ ذیل کے مطابق ہیں:

(۱) میر غلام حسین مادر ش نام خیر دبی بی (۲) سیّد عمر مادر ش نام لاڈلی بی بی۔ الغرض یہ بات واضح ہے کہ میر غلام حسین ول میر عباس علی اور سید عمر سید میر یہ صاحبان پیر سید صادق شاہ حسینی سر مست قدس سرہٗ عزیز کے خاندان سے نہیں ہیں۔ ان دونوں کا تعلق صرف دامادی رشتہ سے ہے۔

حضرت اور ان کی اولاد کا شجرہ مبارک

حضرت سیّد صادق شاہ حسینی رح کا مندرجۂ ذیل شجرہ آپ کے جدّ امجد سیّد اسد اللہ حسینی قدس سرہٗ عزیز سے ابتداء ہے۔ مندرجۂ ذیل میں حضرت کے چاروں صاحبزادوں کا شجرہ جداگانہ طور پر دکھایا گیا ہے۔ حضرت کی صاحبزادی ماں صاحبہ بی بی نورگ باکمال حضرت سیّد جمال الدین سہروردی پیرزادہ سے منسوب کی گئیں۔ چوں کہ ماں صاحبہ دوسرے خاندان میں بیاہی گئیں، اِس لئے ان کی اولاد کا نسلی تعلق حضرت پیر سیّد صادق شاہ حسینی کے شجرہ سے منقطع ہو گیا۔ سیّد جمال الدین سہروردی کا خاندان جنتر کے پیرزادوں سے وابستہ ہے۔ لہٰذا یہاں پر ماں صاحبہ کا شجرہ غیر ضروری ہے۔ اِس طرح حضرت کے خاندان کی دیگر لڑکیاں دوسرے خاندانوں میں بیاہی گئیں۔ ان کا بھی نسلی رشتہ ان کے جدّ امجد کے شجرہ سے ختم ہو گیا۔ اس لئے ان کے بھی نام کا شجرہ بکتاب ھٰذا میں تحریر نہیں کئے گئے ہیں۔ شجرہ مذکور حضرت کی ایک ملکیت کے سلسلے میں مقدمہ نمبر ۱۲۷ سنہ ۱۹۶۲ء میں بمبئی ہائی کورٹ میں داخل کیا۔

اس شجرہ کی نقل ذیل میں ناظرین کے اطلاع کے لئے پیش کی گئی ہے:

حضرت شیر محمد
فرزند اول
کا شجرہ
سید اسد اللہ حسینی
سید شیر محمد
سید صادق شاہ حسینی پیر
سید شیر محمد
سید نعمت اللہ
سید پیر محمد
سید عبد الکریم
ماں صاحبہ بی بی
سید اللہ بخش
سید قمر الدین
بی بی صاحبہ
سید مرتضیٰ
میر روشن علی
بی بی جانی
سید مرتضیٰ
خورشید بیگم
سید عبد الفتاح
سید محی الدین
سید زین العابدین
میر شمس الدین
میر عبد اللہ حسینی
میر غضنفر علی
میر اشرف علی
عرف صاحبہ بی بی
غلام جیلانی
سید احمد
فاطمہ بی بی
حضرت سید صادق شاہ حسینیؒ کی اولاد کا شجرہ جو انعام کمیشن آفس میں ۲۲ جولائی ۱۸۵۴ء سنہ کو پیش کیا گیا اور اس پر بمبئی ہائیکورٹ اپیل نمبر ۱۳۷ / ۱۹۶۲ ہے۔
بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۱۲۷ سنہ ۱۹۶۲ء دستاویز نشانی نمبر ۲۱۷

حضرت سید نعمت اللہ
فرزند دوم
کا شجرہ
سید اسد اللہ حسینی
سید شیر محمد
سید صادق شاہ حسینی پیر
سید شیر محمد
سید نعمت اللہ
سید میر محمد
مالی صاحبہ بی بی
سید ضیاء اللہ
سید فیض اللہ
سید رحمت اللہ
میر حفیظ اللہ
سید شکر اللہ
میر چراغ علی
سید جمال
بی بی صاحبہ
سید معصوم
میر کلب علی
میر فضل علی
میر ضیاء اللہ
کریما بی بی
میرزا علی
محمد علی
مظفر علی
عصمت علی
مرزا شفیع
سید قمر اللہ
سیدو بیگم
سعدو بیگم
نبی بیگم
چاند صاحبہ
بی بی
بیگمی صاحبہ بی بی
میرا صاحب
نور صاحب
جان صاحب
بی بی
سیدو میاں
خیرو بی بی
سراج بی بی
سید ہاشم
چاند ابی بی
زینہ بی بی
میر غلام حسین
سید محمد
سید حبیب
سید حیدر
بسم اللہ بیگم
بتلی بیگم
صاحب بیگم
چھوٹے میر
میر عباس علی
خیرو بی بی
حضرت سید صادق شاہ حسینیؒ کی اولاد کا شجرہ پونہ انعام کمیشن آفس میں ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۵۴ء کو پیش کیا گیا اور اس پر بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۱۳۷/ ۱۹۶۲ ہے۔
بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۱۳۷ سنہ ۱۹۶۲ء دستاویز نشانی ۲۱۷

حضرت سید صادق شاہ حسینیؒ کی اولاد کا شجرہ پونہ انعام کمیشن آفس میں ۲۲ جولائی ۱۸۵۲ء کو پیش کیا گیا اور اس پر بمبئی ہائیکورٹ اپیل نمبر ۱۳۷ / ۱۹۶۲ ہے۔

بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۱۳۷ سنہ ۱۹۶۲ء دستاویز نشانی نمبر ۲۱۷

حضرت سید عبدالکریم
فرزند چہارم
کا شجرہ
سید اسداللہ حسینی
سید اشیر محمد
سید صادق شاہ حسینی پیر
سید شیر محمد
سید نعمت اللہ
سید پیر محمد
سید عبدالکریم
سید عبدالرحیم
ماں صاحبہ
بی بی
سید حسین
سید میرا
میر حسین علی
سید کریم
سید مظفر
سید عباں محمد
زلیخا بی بی
سید نصراللہ
رمضان بی بی
حاجی بی بی
سید عارف
میر عباس علی
سید غالب
میر غلام علی
خواجہ محی الدین صاحب
سیدہ
میرا
سید
اشرف
خواجہ محمد
درایہ بی بی
میر اسد علی
قادر علی
میر قنبر علی
سیدانی
بیگم
امام الدین
نظام الدین
لاڈلے صاحب بی بی
فاطمہ بیگم
قمر النساء
تیلی بیگم
بخشی
بیگم
میر محبوب علی
رمضان علی
رحیم النساء
میر ہدایت علی
میر قربان علی
فاضل علی
ذوالفقار علی
عباس علی
امداد علی
فخر النساء
سید مبارک
سید دلاور حسین
میر امام علی
ماہ بیگم
سید امین الدین
گل بانو بی بی
میر منظر علی
سید حسین
امیر بیگم
نور جہاں بیگم
سید نظام الدین حسینی

ناظرین مطالعہ کر چکے ہیں کہ حضرت پیر سید صادق شاہ حسینی سرمست قدس سرہ العزیز مدینہ سے بشارت علیہ ہندوستان میں تشریف لائے اور دہلی، بلاد سندھ گجرات، برہان پور کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملک دکن میں رہ کر سالہا قلعہ دولت آباد میں ریاضت و چلہ کشی کی نیز مقام کرنج میں چھ مہینے ریاضت شاقہ کھینچی۔ بعدہ بار بیجا پور، بلگام، کلکلا، ملہیر میں گوشہ نشین رہے۔ اوران ایام سفر میں بہت سے شیوخان کرام و بزرگان عظام وقت سے فیوضات باطنی و ظاہری اخذ کئے۔ چنانچہ مخدوم عمر مختار اللہ بال چشتی سے خلافت چشتیہ و سہروردیہ اخذ کی، و سید شکر اللہ سے نقشبندیہ و طیفوریہ حاصل کی۔ شیخ خدا قلی ماوراء النہری سے خلافت قادریہ و شطاریہ اخذ کی، اور مخدوم شاہ سدھن سرمست سے خلافت شطاریہ و مداریہ و طیفوریہ حاصل کی۔ الغرض حضرت شاہ محمد صادق حسینی نے چودہ خانوادوں سے خلافت حاصل کی۔ اور اس خلافت کے سلسلہ کو قائم و دائم رکھا۔ حضرت نے اپنے حین حیات میں اپنے فرزندان سید شیر محمد، سید نعمت اللہ، سید پیر محمد، سید عبد الکریم و نواسے حضرت ولی شاہ، و شہزادہ خرم ممتاز محل، نظام شاہ بحری، سردار ملک عنبر، و دیگر عوام خلق اللہ کو بذات خود اپنے ہاتھ پر دست بیعت دی اور ان کو مرید بنایا۔

شاہ صادق کہ مظہر رب بود | مرشد خلق و خضر کشف شہود
سہروردی و قادری چشتی | گلوئی نعمت زچہار دہ بر بود

حضرت کی اولاد میں چند بزرگوں نے اس شجرہ خلافت کو محفوظ رکھا جس کی نقل کا تھوڑا سا حصہ ناظرین کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

حضرت کے فرزندوں، شاہ جہاں، نظام الملک سردار ملک عنبر وغیرہ کے بیعت کا شجرہ

وہو شیخ الکامل
والمرشد العالم العامل البس الخرقت
الخلافت والنیابت شاہ صادق سرمست
مدنی الحسینی قدس اللہ سرہ العزیز
مرید چشتیہ
وہو شیخ الکامل والمرشد
العالم العامل البس الخرقت الخلافت
والنیابت شاہ پیر فرزند شاہ صادق
قدس اللہ سرہا العزیز
طبقات مداریہ
وہو شیخ الکامل المرشد
العالم العامل البس الخرقت الخلافت
والنیابت فرزند سید نعمت اللہ ابن شاہ
صادق قدس اللہ سرہ العزیز
مرید چشتیہ

و ہو شیخ الکامل
والمرشد العالم العامل البس الخرقت
الخلافت والنیابت شاہ صادق
سرمست مدنی الحسینی
قدس اللہ سرہا العزیز
مرید چشتیہ

و ہو شیخ الکامل
والمرشد العالم العامل البس الخرقت
الخلافت والنیابت حضرت ولی شاہ نظیر کلان
شاہ صادق علیہ الرحمۃ والغفران
مرید قادریہ

معلوم ہمگنان بودہ باشد کہ
محققین مرید صادق حسینی کہ بصدق تمام دست
بیعت شد نظام الملک و ملک عنبر خواہ ہمراز ملک عنبر مرید
دو دیگر ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی حضرت ثانی شاہ جہان
بادشاہ غازی دست بیعت شد در اوان شہزادگی
بعد از آن حاکم تخت شد بعد از آن کثرۃ العوام
خلق اللہ علی الدوام دست بیعت
شد۔

وہو شیخ الکامل

والمرشد العالم والعامل البس الخرقت

الخلافت والنیابت شاہ پیر محمد

فرزند شاہ صادق قدس اللہ

سرہا العزیز۔ طبقات مداریہ

وہو شیخ الکامل

والمرشد العالم العامل البس الخرقت

الخلافت والنیابت شاہ عبدالوہاب

فرزند کلاں شاہ پیر قدس سرہا العزیز

طبقات مداریہ

باب چوتھا

صندل اور عُرس شریف

حضرت کے صندل کی تقریب سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے۔ ایک صندل حضرت کے اصل وفات کی تاریخ ۱۶ ماہ ذی الحجہ کو اور دُوسرا صندل حضرت کے میلے (عُرس) کے دنوں میں بروز بُدھ کو ہوتا ہے جس کو عام لوگ میلے کا صندل کہتے ہیں۔ اصل وفات کے صندل کے موقع پر عُرس وغیرہ نہیں منایا جاتا۔ میلے کے عرس کی تقریب جمعرات سے شروع ہوکر پانچ چھ روز منائی جاتی ہے۔ بعض وقت عُرس کی میعاد میں دو تین دن کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ فی الحال صندل شریف اور دیگر حقوق کی بابت پیرزادگان نے ناسک سول کورٹ میں مقدمہ دائر کیا ہے، جس کا نمبر 7/221 ہے اور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔

صندل اور عُرس کی تقریب بُدھ کے روز سے شروع ہوتی ہے اور قدیم رسم کے مطابق اس تقریب میں مقامی و بیرونی فقراء و مساکین وغیرہ صندل کے ایک روز اوّل یعنی منگل کی شام کو آستانہ پیر سید صادق شاہ سرمست حسینیؒ پر بجتے گجتے اپنے مرشدوں، مریدوں، سرگردہوں اور خلفاؤں کے ساتھ حاضر ہوتے تھے، اور عرس ختم ہونے تک فقراؤں کے چوک پر قیام پذیر رہتے تھے۔ ان فقراؤں اور مساکینوں کو درگاہ شریف کی جانب سے عرس کے دوران روزانہ "برتہ" (یعنی لنگر، گھی، چاول، دال، آٹا) اور کچھ نقد پیسے بھی دیئے جاتے تھے، جب تک عرس جاری رہے تب تک ہر روز فجر اور مغرب کی اذان ہونے کے بعد اپنے چوک پر کل نعیر و مسکین نقیری نعرہ ایک ساتھ اور ایک آواز میں لگایا کرتے تھے۔ اور اس نعرے سے چوک گونج اٹھتا۔ عُرس ختم ہونے کے بعد دوسرے دن علی الصبح فقیری رسم جس کا نام

"صدر" سے منائی جاتی تھی اور اس صدر میں آئے ہوئے کُل فقراء، مساکین، غریب و غرباء اور درویش وغیرہ حاضر ہوتے، تلاوتِ قرآن مجید، کچھ سورہ اور شجرہ شریف پڑھے جاتے اور درگاہ شریف کی جانب سے جو کچھ مٹھائی یا شیرینی پیش کی جاتی اس کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا جاتا اور پہلے چار بڑے حصے چار پیروں کے نام کے علاحدہ کئے جاتے اور پھر چودہ حصے چودہ خانوادوں کے نام سے علاحدہ کئے جاتے۔ چار بڑے پیروں کے نام ہیں حضرت حسن رضؓ، حضرت حسین رضؓ، حضرت خواجہ حسن بصری رحؒ، اور حضرت کمیل بن زیدؒ[1]

"لیکن فارس، عرب و روم میں ان چاروں کی بابت کچھ اختلاف ہے۔ ان کی روایت ہے کہ ہفت گروہ حضرت مولا علی سے نکلے ہیں اور ان ہفت گروہوں کے نام یہ ہیں، اول گروہ بصریہ جو حضرت خواجہ بصری سے جاری ہوا۔ دوم گروہ اویسیا جو حضرت خواجہ اویس قرنی سے جاری ہوا۔ سوم گروہ قلندریہ جو حضرت شاہ باز قلندر لاہوری سے جاری ہوا۔ چہارم گروہ زیدیہ جو حضرت خواجہ زید سے جاری ہوا۔ پنجم گروہ شرعیہ جو حضرت خواجہ شرعی سے جاری ہوا۔ ششم گروہ سلمانیہ جو حضرت خواجہ سلمان فارسی سے جاری ہوا۔ ہفتم گروہ محمدیہ جو حضرت محمد بن ابوبکر سے جاری ہوا۔ اور حضرت خواجہ محمد بن ابوبکر کہتے ہیں کہ ان ہفت گروہوں میں اوّل گروہ بصریہ کا ہے، جو حضرت خواجہ حسن بصری سے نکلا ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری نے دو خلیفہ[2] بنائے۔ پہلے خلیفہ خواجہ حبیب عجمی اور دوسرے خلیفہ خواجہ عبدالواحد بن زید ہیں

---

[1] مصنف سید امام الدین احمد ابن مولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی — سراج الفقراء — صفحہ ۳۰ تا ۷

[2] مصنف اکبر صاحب المعروف رمضان علی بن محب علی پیرزادہ گلشن آبادی — رسالہ فقرا ہفت گروہ صفحہ ۴

ان دونوں خلیفاؤں میں کل چودہ خانوادے ہوئے۔ پانچ خانوادے حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید سے اور نو خانوادے حضرت حبیب عجمی سے، جن کے ناموں کا خلاصہ مندرجۂ ذیل ہے:

خواجہ عبدالواحد سے پانچ خانوادے :۔ خانوادۂ زیدیان، عیاضیان، ادھمیان، ہبیریان اور چشتیان۔

خواجہ حبیب عجمی سے نو خانوادے :۔ خانوادۂ حبیبیان، طیفوریان، کرخیان، سقطیان، جنیدیان، گازوریان، طوسیان، سہروردیان، اور فرودسیان۔

فقراء ہند انہی چودہ خانوادوں کو پانچ چشت اور نو قادر کہتے ہیں۔"

ختم قرآن، سورتوں کی تلاوت و شجرہ خوانی کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور اس رسم میں جو فقراء شریک ہوتے ہیں وہ اپنے اپنے سلسلے اور طریق کے مطابق اپنا اپنا مٹھائی اور شیرینی کا حق ان چودہ حصوں میں سے اٹھا لیتے ہیں۔ اور اس شیرینی کی حق کے سوا ان کو ایک غلاف بھی دیا جاتا۔ باقی مسکین، غریب و غرباء اور دیگر حضرات جو اس رسم میں شریک ہوتے، ان کو بھی شیرینی اور مٹھائی بطور تبرک دی جاتی۔ لیکن جب سے فقیروں کی چوک کی عمارت کا حصہ توڑ دیا گیا اس وقت سے نہ تو فقیر آتے ہیں اور نہ ہی یہ فقیری رسم ادا ہوتی ہے۔ اب فقراء و مساکین غریب و غرباء اس رسم "صدر" سے محروم ہیں۔

جمعرات کے روز سے عرس شریف شروع ہوتا ہے اور عرس کے دوران درگاہ شریف کے اندرونی احاطہ میں اور درگاہ شریف کے بیرونی میدان میں اور درگاہ شریف کے راستوں پر قسم قسم کی دوکانیں آراستہ ہوتی ہیں۔ مزار شریف اور دوکانوں میں برقی روشنی کی سجاوٹ کی جاتی ہے۔ فالودہ، بچوں کے کھیل، برتن، چوڑیاں، فوٹو، سینما، جادو کے

کھیل، ہوٹل، کتب فروشی، سیخ کباب، گولے بھجئے، پاپڑ، لکڑی کے جھولے اور ایک آدھی فلک بوس جھولا، چکریاں، پھول مالی وغیرہ وغیرہ کی دوکانیں لگی ہوتی ہیں۔ ان دوکانوں پر روزانہ شام سے لے کر بڑے رات تک بیوپار چلتا رہتا ہے، اور خریداروں اور زائرین کی کافی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اس وقت وہ کاندار اپنے کاروبار میں پوری طرح سے مشغول رہتے ہیں۔ ہزاروں لوگ بلا امتیاز قوم و ملت مسلمان، ہندو، عیسائی اور پارسی روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور عقیدتمندان اپنے عقیدہ کے مطابق پھولوں کی چادریں، غلاف، شیرنی اور نذر و نیاز حضرت کے مزار شریف پر لاتے ہیں۔ رات کو محفل سماع بھی ہوتی ہے، اور قوال اپنے رنگ و ڈھنگ میں کلام سناتے ہیں۔ سامعین اس محفل قوالی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ناسک شہر کی آبادی فی الحال کافی بڑھ جانے کے باعث عرس شریف میں باشندگان ناسک کے قریبی گاؤوں اور دیہاتوں سے بہت لوگ شرکت کرتے ہیں اور عرس کے دوران اندازاً آٹھ دس ہزار لوگ عرس میں شرکت کرتے ہیں۔ جن مُرادمندوں کی مرادیں بر آتی ہیں وہ چادر شریف اور نیاز نہایت عقیدت کے ساتھ اور مودبانہ واحترام سے اپنے گھر سے حضرت کے مزار انور تک جلوس کی شکل میں لاتے ہیں۔ ان میں چند مُراد مندان اپنی چادریں اور نیاز باجوں گاجوں کے ساتھ اور چند مرادمندان میلاد کی جماعت کے ساتھ لاتے ہیں۔ میلادی جماعت قصائد و کلام در مدح حضرت اور ان کی چادر شریف پر خلوص و خوش گلو خوش الحان میں نیاز مندوں کے مکانوں سے روضۂ پاک تک پڑھتے ہوئے لاتے ہیں۔ اس موقع پر عموماً مقامی شعراء جناب شبیر احمد صاحب عرشی باغبان پورہ، جناب شیخ انصار الدین انصار پٹھان پورہ اور مرحوم مولوی سید بشیر الدین بشیر جوگواڑہ کے کلام پڑھے جاتے ہیں۔ ان شعراء کے کلام لائق تحسین و آفرین ہیں۔ ان کے چند کلام مندرجہ ذیل پیش کئے گئے ہیں۔

چادر مبارک[1]

آستانے پہ صادقِ پیا کے لے چلے ہم عقیدت کی چادر
احترامًا نگاہیں جھکا لو، مومنو ہے یہ حضرت کی چادر

سوئے درگاہ سارے چلے ہیں ہم عقیدت کے مارے چلے ہیں
جذبۂ عشق کہہ لیجئے اس کو یا سمجھئے محبّت کی چادر

بابا صادق کی عظمت تو دیکھو انکی شانِ ولایت تو دیکھو
جن کے مرقد کے اوپر بچھا دی حق تعالیٰ نے رحمت کی چادر

یہ ہواؤں میں کیسی مہک ہے یہ فضاؤں میں کیسی مہک ہے
باغِ جنّت سے شاید فرشتے لیکے آئے ہیں رحمت کی چادر

اہلِ ناسک پہ احسان ہے ان کا اسلئے ہر مسلماں ہے انکا
وہ خدا کے یہ چہیتے ولی ہیں ان پہ قربان ملّت کی چادر

جو نبی کے نہیں ہو سکے ہیں اولیاء کے وہ کیا ہو سکیں گے
منظرِ بد سے خدا تو بچانا جاتی ہے اہلسنّت کی چادر

ان کی منظرِ عنایت ہوئی ہے خوب عرشی نے چادر لکھی ہے
اے خدا ان کے حق میں کسی دن کر دے ثابت یہ برکت کی چادر

○

---

[1] شاعر: جناب شبیر احمد عرشی باغبان پورہ

شہنشاہِ ناسک نمبر درایام عرس سید صادق شاہ حسینی سرمست ۱۹۷۴ء
ایڈیٹر سید مختار اشرفی

چادر شریف

شہِ صادق کے ہے روضہ کی منوّر چادر
ضوفشانی میں ہے خورشید سے بڑھکر چادر

اپنی زیبائش و رعنائی مسرّت کے سبب
دیدہ و دل میں ہر ایک کے ہے کیئے گھر چادر

رات میں چاند کی تنویر کو شرماتی ہے
دن کو ہے روشنیٔ مہر سے بڑھ کر چادر

روضۂ پاک پہ سرکار چڑھانے کے لئے
خُلد کے پھولوں سے لاتے ہیں بنا کر چادر

وقتِ مشکل میں اگر چومو، بلا ٹل جائے
بدنصیبوں کے بدلتی ہے مقدّر چادر

دریہ الفاؔر کو یہ کہتے سُنا ہے ہم نے
خوش ہوں گل ہائے عقیدت کی چڑھا کر چادر

قصیدہ

(از مرحوم مولوی سیّد بشیر الدین بشیر گلشن آبادی)

حسینی پیر تم اہلِ دکن کے ناخدا ٹھہرے
تمہارے دریہ کشتیٔ آرزو کی کیوں نہ آ ٹھہرے

نگاہِ لطف سے دیکھو کہ بیڑا پار ہو جائے
مجھے آزارِ دل ہے اور تم دل کی دوا ٹھہرے

میں اپنے خانۂ دل میں کروں قبلہ نما پیدا
جو مہماں آپ جیسا اس میں قطبِ اولیا ٹھہرے

ملی شاہِ جہاں کو آپ سے دستارِ شاہانہ
ہُما دنیا سے غائب ہو گیا جب تم ہُما ٹھہرے

میں سنتا ہوں جنابِ خضر ملتے ہیں نصیبوں سے
اب ان کو کس لئے ڈھونڈوں تمہیں جب رہنما ٹھہرے

تمہارے دامنِ دولت کے سایہ میں لیتیر آیا
کرم سے ڈھانپ لینا حشر میں گر پُر خطا ٹھہرے

احاطۂ درگاہ شریف

احاطۂ درگاہ شریف کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اندرونی درگاہ اور دوسرا بیرونِ درگاہ۔ اندرونی احاطہ میں حضرت پیر سید صادق شاہ حسینی سرمست قدس سرہٗ عزیز کا مزار اقدس ہے اور اس کے چاروں طرف کی جگہ کھلی ہے۔ مزار کے مغرب کی سمت سماع خانہ ہے اور اس کے چاروں جانب سے جگہ کھلی ہے۔ بیرونی احاطہ میں عمارات مسافر خانہ، جماعت خانہ، مسجد، نقار خانہ، ان کے بیچ میں بڑا میدان ہے

حضرت کے مزار شریف کی عمارت

مزار شریف کی عمارت مشرق مغرب تقریباً چوڑائی بیس فیٹ ہے۔ شمال

جنوب لمبائی بائیس فیٹ ہے اور اونچائی پینتیس (۳۵) فٹ ہے۔ مزار کے شمال کی جانب ایک قدیم املی کا درخت ہے۔ مشرق کی جانب کھلی جگہ۔ جنوب کی جانب مسافر خانہ اور مغرب کی جانب سماع خانہ ہے، اور اس کے اطراف کھلی جگہ۔ حضرت کا وصال ۱۰۴۹ ہجری میں ہوا۔ وصال کے بعد پہلی بار حضرت کے مرقد پر درگاہ شریف کون سے سن ہجری میں تعمیر ہوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ پہلی بار کی تعمیر کا ثبوت دوسری بار کے تعمیر کے کتبہ سے ملتا ہے۔ اور وہ ثبوت آج بھی حضرت کے مزار کے شمال کی جانب کی دیوار میں پتھر کی ایک سِل نصب ہے، جس پر حضرت کا فقیری سلسلہ، حضرت کی وفات کی تاریخ و سن اور درگاہ شریف کی "تعمیر دیگر" کا سال ۱۲۹۷ ہجری کندہ ہے اور اسی درگاہ شریف کو آج سے تقریباً چالیس پینتالیس برس کا عرصہ ہوا زیر ترمیم لاکر جو آج کی درگاہ شریف نظر آتی ہے بنائی گئی۔ سن ۱۲۹۷ ہجری کی تعمیر شدہ درگاہ کو باشندگانِ ناسک کے طویل العمر مرد اور عورتوں نے دیکھا ہے ان میں سے چند لوگ اب بھی حیات ہیں۔ اور اس درگاہ کی یادگار کا نقشہ اب تک ان کے ذہن نشین ہے۔ ۱۲۹۷ ہجری کی درگاہ مذکورہ کی عمارت کا کام چونے گچی میں تھا۔ اور اوپر کے منزلہ پر چاروں طرف سے اکھوڑہ برآمدہ تھا۔ اس برآمدہ کی اونچائی صرف تین یا چار فٹ تھی اور اس چار فٹ کی دیوار میں چاروں طرف خوش نما چھوٹی کمانیں اور خوبصورت محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ملفوظ صادقیہ میں تحریر ہے کہ حضرت نے اپنی حین حیات میں وصیت کی تھی کہ ان کے وصال کے بعد ان کے مزار پر گنبد تعمیر نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ وصیت اب تک زیر عمل ہے اور مزار شریف پر گنبد نہیں ہے۔ بلکہ منگلوری کویلو کا سائبان ہے۔ مزار شریف کے اندر شمال کی جانب دیوار میں جو پتھر کی سِل نصب ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ حضرت کو ہم اخانوادوں سے بیعت ملی ہے سِل پر کندہ عبارت مندرجۂ ذیل ہے:

شاہ صادق کہ مظہر رب بود | مرشد خلق و خضر کشف شہود
بدکن ساخت نقش دیں محکم | در ایمان باہل کفر کشود
کونِ دیں زد بمعبدِ ناسک | زنگ دلہائی جوگیا بزدود
گشت ساکن بہ گلشن آباد | رحلتش یک ہزار و پنجاہ بود

اس کتبہ کے علاوہ درگاہ شریف کی اندر کی چاروں دیواروں پر پتھر کی تختیوں پر تصوف و اولیاء کرام کی شان و عظمت میں بہت سے اشعار کندہ ہیں جن میں سے چند اشعار ناظرین کے ذوق کے لئے پیش کئے گئے ہیں :

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانِ دیگر است
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی | چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا | گو نشیں اندر حضورِ اولیاء
ہر ولی را نوح کشتی یاں شناس | صحبت ایں خلق را طوفاں شناس

درگاہ شریف سے مغرب کی جانب سماع خانہ ہے اس کی لمبائی تقریباً بیس فٹ اور چوڑائی اٹھارہ فٹ ہے۔ چھت پر پتھر کا سائبان ہے۔ سماع خانہ چاروں طرف سے کھلا ہے اس کو کسی طرف سے دیوار وغیرہ نہیں ہے۔ سماع خانہ کے اطراف کھلی جگہ ہے اور محفلِ سماع کے وقت اس کھلی جگہ پر سامعین لوگوں کی نشستوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ عرس کے ایام میں ہر رات کو سماع خانہ میں قوالی ہوتی ہے اور لوگ قوالی سے لطف اندوز ہوتے ہیں فی الحال سماع خانہ کے پتھر نکال دیئے گئے ہیں اور صرف لکڑی کا ڈھانچہ قائم ہے۔

خانقاہ (مسافر خانہ) (Photo No. 2) کے شمال میں درگاہ شریف، جنوب میں میدان، مشرق میں ٹامٹ گلی کو جانے کا راستہ، اور مغرب میں جماعت

مسافر خانہ، خانقاہ، اور میدان کا کچھ حصہ جہاں
عرس میں دکانیں لگتی ہیں درگاہ شریف

جماعت خانہ
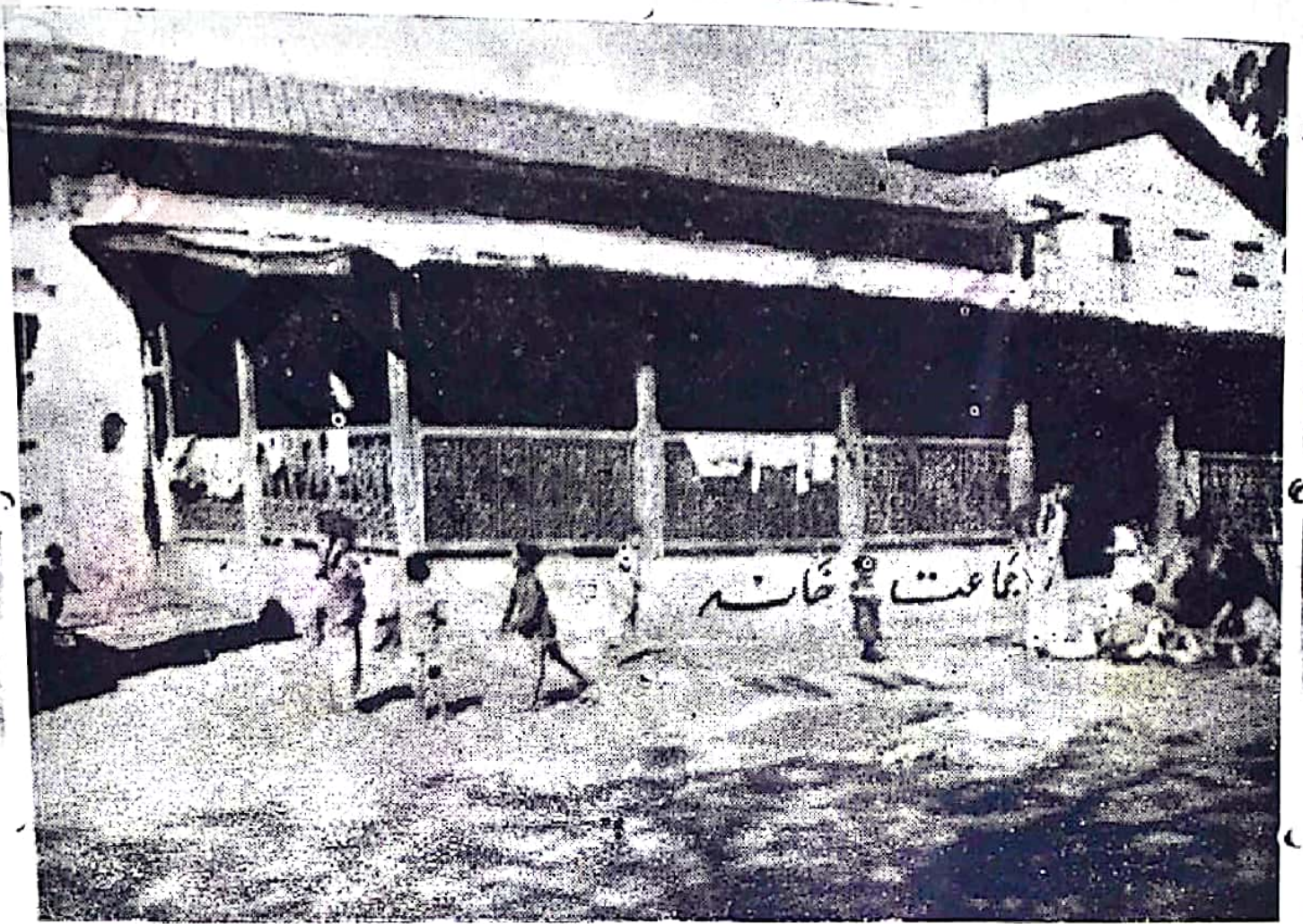
خانہ ہے۔ مسافرخانہ کی لمبائی تقریباً ایک سو فٹ، چوڑائی پندرہ فٹ اور اونچائی پندرہ فٹ ہے۔ یہ ایک منزلہ عمارت ہے۔ اس کا چھت اور ستون لکڑی کے ہیں۔ اس عمارت میں پندرہ چشمے (یا کھن) ہیں۔ چھت پر "چاندنی" ہے۔ چاندنی اور عمارت کا پورا کام چُن گچی میں کیا ہوا ہے اور اس مسافرخانہ کی تعمیر بتاتی ہے کہ یہ مغلیہ دور کی یادگار ہے۔
ان پندرہ چشموں میں درمیانی چشمہ دوسرے چشموں سے تھوڑا بڑا ہے اور اس بڑے چشمے میں تین چھوٹے دروازے ہیں۔ زائرین انھیں تین دروازوں میں سے گذر کر درگاہ شریف میں داخل ہوتے ہیں۔ ان تین دروازوں کے اوپر اردو میں مندرجہ ذیل رباعی کندہ تھی

ہوش در دم یہ در میخانہ ہے	دور میں توحید کا پیمانہ ہے
بزمِ کثرت سے نکل وحدت میں آ	ساقیا سرمست کا کاشانہ ہے

جماعت خانہ کی مشرق میں میدان، مغرب میں درگاہ محلّہ کے مکانات، شمال میں سماع خانہ اور جنوب میں درگاہ شریف کی مسجد ہے۔ اس جماعت خانہ (تھا) ... کی لمبائی تقریباً تیس فٹ، چوڑائی سینتیس فٹ اور اونچائی بیس فٹ ہے۔ اس عمارت کے چھت اور ستون لکڑی کے ہیں۔ عمارت کے سامنے کے حصّے میں چھت پترے کا اور پچھلے حصّے میں چھت منگلوری کویلو کا ہے۔ پچھلا حصّہ دو منزلہ ہے لیکن اس پر اوپر کا منزلہ اونچا نہیں ہے بلکہ تھوڑا دبا ہوا ہے۔ جماعت خانہ اور مسجد کے درمیان میں آٹھ دس فٹ چوڑا دروازہ ہے جو محلّہ درگاہ شریف کے رہائشی مکانات میں جانے آنے والوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس دروازے کے متصل درگاہ شریف کی مسجد ہے۔ اس جماعت خانہ کی شمال کی جانب ایک کمرہ تھا اور کمرے کے اوپر کا منزلہ فقیروں کے چوک کے لئے ایام عرس میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کمرہ کا نام بھنڈار خانہ تھا۔ جس میں فقراء اور مسکینوں کے لئے "برتنے" کا سامان یعنی آٹا، دال، گھی وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ اور یہی اشیاء

فقراؤں اور مسکینوں کو اور سرگروی فقیران کو قیامِ عرس میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ چند سال گزرے یہ کمرہ توڑ دیا گیا اور جگہ سماع خانہ میں شامل کی گئی اب فقیروں کو چوک بھی نہیں اور بھنڈارخانہ بھی نابود ہے۔ اس جماعت خانہ کی جنوب میں درگاہ شریف کی مسجد ہے۔ (Photo No. 4) جس کی لمبائی تقریباً تیس فٹ، چوڑائی بیس فٹ اور چھت پر منگلوری کویلو ہے۔ مسجد کے سامنے یعنی مشرق کی جانب شاہی حوض تھا۔ جس کی لمبائی تقریباً اٹھارہ فٹ اور چوڑائی بارہ فٹ اور گہرائی پانچ فٹ تھی۔ یہ حوض اور مسجد شاہجہاں کے دور کی تعمیر ہے۔ قدیم زمانے میں یہ حوض بند تھا۔ یعنی اس حوض میں مٹی ڈال کر بند کیا گیا تھا۔ اس کے مرکز میں ایک نیمبو کا درخت بھی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حوض پانی کی قلت کی وجہ سے اس وقت کے بزرگوں نے اس کو بند کیا ہو۔ حوض میں پانی آنے کے لئے کوئی قدرتی نل وغیرہ نہیں تھا، بلکہ درگاہ شریف کے میدان میں حضرت سید حسین بال برہنہ چشتیؒ کے مزار اقدس سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر ایک گہرا کنواں تھا۔ اور اس کنویں کا پانی نالیوں کے ذریعے حوض میں بہم پہنچایا جاتا تھا۔ کنویں میں اکثر پانی کی قلت رہتی تھی، لہذا پانی کی قلت کی وجہ سے بند کیا گیا تھا۔ لیکن جب شہر ناسک میں میونسپل کمیٹی نے پانی کے نل کا آغاز کیا۔ اس وقت شہر میں پانی کی افراط ہوئی اور سن ۱۳۲۳ ہجری میں حوض کی مٹی کو باہر نکال کر پھینک دیا گیا۔ نیمبو کے درخت کو توڑ دیا گیا اور حوض کو پھر سے جاری کیا گیا۔ اور اسی سال مسجد کی عمارت میں بھی تھوڑی ترمیم کی گئی۔ حوض کے مرکز میں بنیادی صرف ایک فوارہ تھا۔ ترمیم کے وقت اس فوارے کے اطراف اور دو فوارے بنائے گئے۔ منجملہ تین فواروں کے ساتھ یہ حوض جاری کیا گیا اور جہاں جہاں مسجد و حوض کو مرمت کی ضرورت تھی، مرمت اور درستی کی گئی۔ اس ترمیم کا سن ۱۳۲۳ ہجری ہے۔

سن ۱۳۲۳ ہجری سے سن ۱۳۹۸ ہجری مطابق ۱۹۷۸ عیسوی تک یہ حوض جاری تھا لیکن ماہ دسمبر ۱۹۷۸ء عیسوی کو آخری ہفتہ میں اس حوض کو پھر ایک بار بند کیا گیا۔ اس وقت
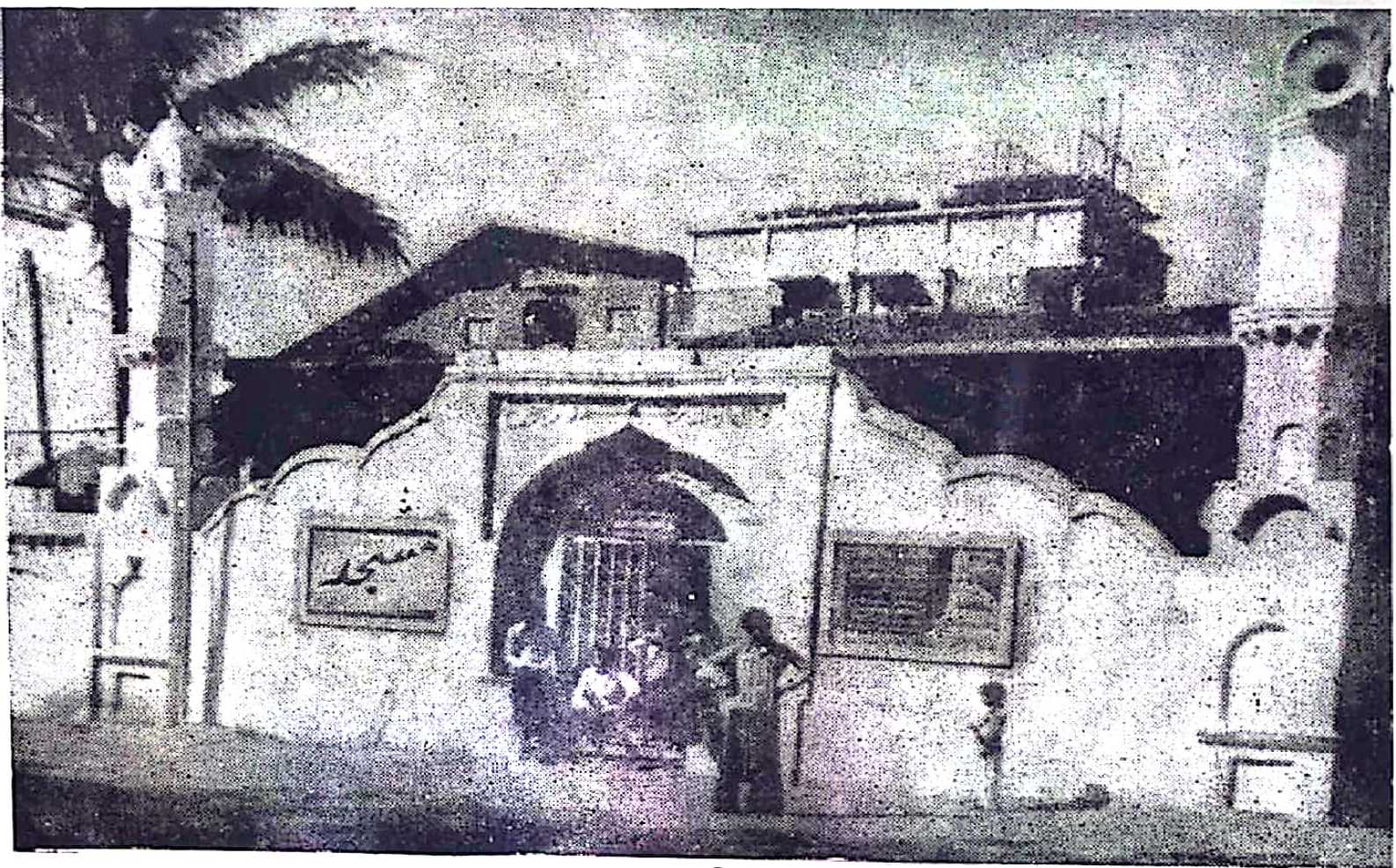
اس حوض کو بند کرنے کی وجہ پانی کی قلت نہیں تھی بلکہ ناسک شہر کی آبادی پہلے کی بہ نسبت
دس گنا زیادہ ہوئی ہے اور خصوصاً محلہ درگاہ شریف کی بھی آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے
لہٰذا جمعہ اور عیدین میں مقتدیوں کی تعداد بھی کافی زیادہ بڑھ گئی ہے اور مسجد کی جگہ
نمازیوں کے لئے ناکافی ہونے لگی اس لئے نمازیوں کو جگہ کی افراط کے لئے اس حوض
کو بھر بند کر دیا گیا اور حوض کی جگہ پر شاہ آبادی فرش بٹھائی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ
جنوب میں جو ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اس کے پودے بھی اکھاڑ دیئے گئے اور باغیچہ کی
جگہ بھی شاہ آبادی فرش بٹھائی گئی تاکہ جگہ اور بھی بڑھ جائے۔ اب مسجد میں صرف ناریل کے
دو اونچے اونچے اور خوبصورت درخت قائم ہیں۔ حوض کے عوض پانی کا سقاوہ تیار کیا گیا اور
فی الحال نمازی لوگ اس سقاوے کے پانی سے وضو بناتے ہیں۔ فی الحال مسجد بھی زیر
ترمیم ہے اور یہ ترمیم بار دیگر سنہ ۱۹۷۹ء میں ہوئی ہے۔ مسجد کے جنوبی آخری صحن میں
بیت الخلا اور طہارت خانے ہیں۔ حوض کی جگہ جہاں پر فرشی بٹھائی گئی، اس پر بیتر سے
کا وسیع چھت لگایا گیا تاکہ موسم باراں میں بھی مقتدیوں کو کسی طرح مشکل و تکلیف نہ ہو اور
نماز پڑھنے میں آسانی ہو جائے۔ مسجد کے صحن میں چھت پر لکڑیوں میں نقش و نگار ہیں۔
اور ان پر عربی میں بحرف جلی قرآن مجید کی چند آیتیں کندہ ہیں۔ اور کچھ فارسی اشعار بھی ہیں

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝

پارہ ۲۹ واں، سورۃ الجن مکیہ۔ ۱۷ ویں آیت

اور مسجدیں تو اللہ ہی (کی عبادت) کیلئے ہیں، سو تم (ان میں) خدا کے
ساتھ دوسرے کو نہ پکارو۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ۝ (پارہ ۹ واں، سورۃ الاعراف مکیہ، آیت ۲۰۳)

(لوگو) جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

غا (ب) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

(پارہ ۱۵واں، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۸)

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر ایک مثال بار بار بیان کی ہے، مگر اکثر لوگ انکار کئے بغیر نہ رہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝

(پارہ ۲۹واں، سورۃ الحاقہ۔ آیتیں ۴۳، ۴۴، ۴۵)

(۴۳)۔ اور اگر وہ کوئی بات اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتا

(۴۴)۔ تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے

(۴۵)۔ پھر اس کی رگِ گردن کو ہم کاٹ دیتے۔

جہاں یادگار ست فانی تمام بجز نیک نامی نہ ماند مدام

مسجد کے صحن کے سامنے کے رخ پر فارسی میں ایک رباعی کندہ تھی جو ترمیم کے وقت ہٹا دی گئی۔

شد بنا در زمانِ شاہ جہاں مسجد و حوض سید صادق

سال ترمیم گفت آرائش حوضِ طاہر بمسجد صادق

ان آیتوں کے سوا اور بھی آیتیں اور فارسی اشعار باریک حرفوں میں طغرے نما ہیں، جن کے حروف شکستہ دلوسیدہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں نہیں آتے۔ ان کتبہ

نقار خانہ

درگاہ شریف کے احاطے میں داخل
ہونیکے لئے [illegible] بلند دروازہ

آیتوں کی دست کاری دیکھ کر یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد و حوض کی تعمیر شہنشاہ شاہ جہاں کے دور حکومت کی ہے اور صحن پر لکھی گئی رباعی کا کتبہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے مسجد اور حوض آثار قدیمہ کی یادگار ہیں۔ (حوض فی الحال بند کر دیا گیا ہے)

مسجد اور نقارہ کے بیچ میں تربک دروازے کی جانب جانے کے لئے ایک کمانی بلند دروازہ ہے۔ (Photo No. 5) مسجد کے مشرق کی جانب کچھ تھوڑے فاصلہ پر نقارخانہ ہے جس کی لمبائی تقریباً بیس فٹ، چوڑائی بارہ فٹ اور اونچائی پچیس فٹ ہے۔ (Photo No. 6) یہ دو منزلہ پختہ عمارت ہے۔ اس کے ستون اور چھت لکڑی کے ہیں۔ اس کے مغرب کی جانب متصل ایک چھوٹا کمرہ ہے جس کا چھت پترے کا ہے۔ لمبائی تقریباً پندرہ فٹ اور چوڑائی دس یا بارہ فٹ ہے۔ اسی طرح نیچے کے منزلے میں جوڑ کر ایک چھوٹا کمرہ کچھ نشیب میں جنوب کی جانب ہے جس کی لمبائی اندازاً بیس فٹ اور چوڑائی آٹھ فٹ ہے۔ عمارت کے اوپر کے منزل میں لکڑی کے چوکی پر رکھائے ہوئے دو بڑے نقارے تھے ان نقاروں کے برتن تانبے کے تھے اور یہ نقارے شہزادہ خرم نے حضرت کو اپنی مریدی کے سلسلے میں نذر کئے تھے۔ نقارے ہر مہینہ کو رویت ہلال پر بجائے جاتے تھے تاکہ باشندگان شہر کو چاند کے دیدار کی آگاہی ہو جائے۔ اور اسی طرح رمضان المبارک میں بوقت سحری اور افطار بجائے جاتے تھے علاوہ ازیں عیدین کے خطبے ختم ہو جانے کے بعد اور عرس کے ایام میں بھی ان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن فی الحال یہ نقارے پھوٹ گئے ہیں اس لئے اب نہ نقارے ہیں اور نہ اُن کی چوکی۔ نقارخانہ کے نیچے کا منزلہ جو کہ کھلا ہوا ہے پیرزادگان کی نشست اور میٹنگ ہال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ منزلہ پیرزادگان کی منگنی یا شادی کی تقریبوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یا کسی بزرگ ہستی یا پیر طریقت کی قیام گاہ کے لئے بھی

استعمال میں لایا جاتا ہے۔

دورانِ قیامِ پیرِ طریقت، پیر صاحب اپنے مریدوں کو اپنے طریق کی تعلیم و تدریس دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو پیر موصوف پر اعتماد ہوتا ہے وہ پیر صاحب سے بیعت لے کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

خانقاہ (مسافر خانہ) کے جنوب میں ایک وسیع میدان ہے جس کی اندازاً لمبائی ایک سو ساٹھ فٹ اور چوڑائی ایک سو دس فٹ ہے۔ میدان کا مشرقی کچھ حصہ شہر میونسپل کمیٹی کے تصرف میں ہے اور میدان کے مشرق میں سید دودھادھاری کا مزار ہے۔ حضرت کا اصلی نام سید مراد علی اور عرفیت دودھادھاری ہے۔ آپ کی وفات چودہ سال کی عمر میں ہوئی۔ میدان کے بیچ میں پتھر کا ایک مضبوط چبوترا ہے۔ اس چبوترے پر (Photo No 27) سید حسین بال برہنہ چشتی (خلیفۂ سید صادق شاہ حسینی) اور مولوی سید بشیر الدین احمد نقوی الحسینی پیرزادہ گلشن آبادی کے مزارات ہیں۔ چبوترے پر دو درخت ہیں ایک نیم کا، دوسرا بھنیڈی کا۔ یہ دونوں درخت ان مزاروں پر سایہ کرتے ہیں۔ عرس کے ایام میں اس بڑے میدان میں دوکانیں آراستہ کی جاتی ہیں۔

مولوی سید بشیر الدین احمد پیر زادہ گلشن آبادی
چشتی خلیفہ
سید شاہ محمد صادق حسینی

باب پانچواں

حضرت کے خاندان کی چند ہستیوں کی تصانیف اور ان کی مختصر سوانح عمری

کتاب "بمبئی میں اردو" میں مرقوم ہے کہ "حضرت شاہ محمد صادق سرمست حسینی قدس سرہٗ العزیز شہنشاہِ شاہ جہاں کے دورِ حکومت کے صوفی اور عالم تھے۔" اور یقیناً ان کی تصنیفات تصوف، فقہ، حدیث اور راہِ سلوک پر ضرور رہی ہوں گی۔ لیکن باوجود حتی الامکان کوشش اور تحقیق کے اب تک ایک بھی نسخہ دست یاب نہیں ہوا۔ تاہم ہنوز اس باب میں کوشش جاری ہے اور یقین کامل ہے کہ ان شاء اللہ عن قریب قلیل میں کچھ نہ کچھ نسخے ضرور دست یاب ہو جائیں گے۔ آپ کی تصنیفات دستیاب نہ ہونے کی غالباً تین یا چار وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شہنشاہ شاہجہاں کے دور میں گجرات اور دکن میں متواتر چند سال خشک سالی رہی۔ جس کی وجہ سے قحطِ عظیم پڑے اور اس قحط میں ہزاروں لوگ جاں بحق ہو گئے۔ جو بچے وہ تلاشِ معاش میں وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قحط کے بعد دکن کے لوگوں کو وبا کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس میں بھی کثیر التعداد لوگ مر کھپ گئے۔ باقی ماندہ جان کی امان کے لئے کھیتوں اور باغات میں جا بسے۔ قحط اور وبا کے بعد تیسری وجہ یہ ہے کہ:

"اکبر نامہ میں تحریر ہے کہ شہنشاہِ اکبر کی فوج میں ۱۵۹۹ عیسوی

---

[1] مصنف ابوالفضل ۔ مترجم ایچ ۔ بیوریج اکبرنامہ صفحہ ۱۱۳۳ اور ۱۱۵۴

سے ۱۶۰۲ عیسوی تک مع اپنے افسران ناسک میں کئی بار آئیں اور شہنشاہِ اکبر کے دورِ حکومت کے بعد بھی دکن میں مغلیہ فوجوں کی متواتر یورشیں ہوتی رہیں جس میں بہت سے لوگ قتل و غارت ہو گئے، جو بچے وہ لوگ اپنی زندگی کا چین اور اطمینان کھو بیٹھے اور شہروں میں بدامنی پھیل گئی اور حکومت کا نظم و نسق جاتا رہا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ آغاز برطانوی حکومت میں غدر ہوا۔ اس غدر کا اثر ملکِ دکن پر بہت بڑا ہوا۔ لوگ اپنی جان و مال بچانے کے لئے گھروں کو قفل لگا کر قرب و جوار کے اراضیات یا باغات میں جا کر آباد ہو گئے اور بعض لوگوں نے اپنے وطن کو الوداع کہا۔ مندرجہ بالا چار وجوہات پر غور کرنے سے یہ بات قرینِ قیاس آتی ہے کہ مذکورہ تصنیفات کچھ ان لوگوں کے ساتھ چلی گئیں جو قحط اور وبا کے شکار ہوئے، کچھ تصنیفات ان لوگوں کے ساتھ گئیں جو یورشوں اور غدر میں قتل و غارت ہو گئے۔ اور باقی ماندہ تصنیفات ان زندہ شخصوں کے ہاتھ پڑیں جو نااہل اور لاعلم ہوں گے اور ان تصنیفات کی قدر و قیمت سے بالکل ناآشنا ہوں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی غفلت اور لاعلمی کی وجہ سے ان بے بہا تصانیف کی حفاظت نہ کی ہو بلکہ ان کو سپردِ گرد و غبار یا نذرِ دیمک کر دیا ہوا۔ پس ان کتابوں کی نادستیابی کی یہی وجوہات نظر آتی ہیں۔

شکر ہے اس جل شانہٗ و عمّ نوالہٗ کا کہ حضرت سید صادق شاہ حسینی رح کے فرزند حضرت شیر محمد کی شاخ میں چار ہستیاں ایسی پیدا ہوئیں جنھوں نے اس بجھی ہوئی شمع کو روشن کیا۔ قرآن، تصوف، فقہ، حدیث اور اپنے جدِّ امجد کی سوانح حیات پر بہت سی تصنیفات کر کے قوم کی خدمت کی۔ یہ ہستیاں گویا اپنے زمانے کے روشن ستارے تھے۔ اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ مذہباً اہلِ سنت تھے اور سجادہ نشینی کی مسند کو

تادمِ حیات قائم وجاری رکھا۔ ان کی تصانیف کی وجہ سے انھوں نے اپنے وطن ناسک کا نام بھی روشن کر دیا۔ ان کے علم وقلم کی ہر دانش مند شخص نے ہر اہلِ ادب وفکر وعلمائے وقت نے داد دی ہے۔ ان چاروں ہستیوں نے منجملہ تقریباً ۵۶ کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں عربی، فارسی، اور اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔ ماسوا کچھ رسائل اور کچھ ابیات بھی شائع ہوئے ہیں، ان کی بہت سی کتابیں مستند اور قابلِ تحسین وآفرین ہیں۔ ان چار بزرگ اور لائق ستائش ہستیوں کے نام ہیں:

سید عبداللہ حسینی گلشن آبادی، مولوی مفتی سید عبدالفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی، سید امام الدین احمد گلشن آبادی اور سید مولوی بشیر الدین احمد گلشن آبادی۔

ان کی تصنیفات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

	نام کتاب		مصنف
۱۔	رسائل مشائخین		سید عبداللہ حسینی گلشن آبادی
۲۔	جامع الفتاویٰ	جلد اوّل	مفتی مولوی سید عبدالفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی
۳۔	"	جلد دوّم	"
۴۔	"	جلد سوّم	"
۵۔	"	جلد چہارم	"
۶۔	دولتِ بے زوال	جلد اول	"
۷۔	"	جلد دوم	"
۸۔	"	جلد سوم	"
۹۔	"	جلد چہارم	"

۱۰۔	کلید دانش	فارسی	مفتی مولوی سید عبد الفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی
۱۱۔	"	اردو	"
۱۲۔	"	ہندی	"
۱۳۔	تائید الحق		"
۱۴۔	اشرف الانشاء جلد اول ودوم		"
۱۵۔	خزانۃ العلوم	جلد اول	"
۱۶۔	"	جلد دوم	"
۱۷۔	خزانۃ دانش		"
۱۸۔	تحفۂ محمدیہ		"
۱۹۔	صد حکایات		"
۲۰۔	تحفۃ المقال		"
۲۱۔	رحمۃ اللعالمین		"
۲۲۔	تاریخ الاولیاء	جلد اول	"
۲۳۔	تعلیم النسان		"
۲۴۔	مصادر الافعال		"
۲۵۔	تاریخ روم		"
۲۶۔	تاریخ افغانستان		"
۲۷۔	دیوان اشرف الاشعار		"
۲۸۔	باقیات الصالحات فی مولد اشرف المخلوقات		"
۲۹۔	اشرف القوانین		"

۳۰۔ اظہار الحق — مفتی مولوی سید عبدالفتاح عرف اشرف علی گلشن آبادی

۳۱۔ رسالہ جغرافیہ — ״

۳۲۔ دیوانِ نعتیہ — ״

۳۳۔ مولود شریف — ״

۳۴۔ مجلس لیلۃ القدر مسمّیٰ بہ اشرف المجالس — ״

۳۵۔ قوانینِ کبیر — فارسی — ״

۳۶۔ قوانینِ صغیر — ״ — ״

۳۷۔ دیوانِ قصائد — ״ — ״

۳۸۔ خزینۃ العلوم عربی — جلد اول — ״

۳۹۔ ״ — ״ — جلد دوم — ״

۴۰۔ ״ — ״ — جلد سوم — ״

۴۱۔ تاریخ الاولیاء — جلد اول یادگیر — مولوی سید امام الدین گلشن آبادی

۴۲۔ ״ — جلد دوم — ״

۴۳۔ ״ — جلد سوم — ״

۴۴۔ سراج الفقراء — ״

۴۵۔ سرور عاشقین — ״

۴۶۔ سلوک العارفین — ״

۴۷۔ تذکرۃ الانساب — ״

۴۸۔ برکاۃ الاولیاء — ״

۴۹۔ گلزار صادق — مولوی سید بشیر الدین احمد گلشن آبادی

۵۰۔ صبح صادق — مولوی سید بشیر الدین احمد گلشن آبادی

۵۱۔ نذر فقیر — "

۵۲۔ شراباً طہورا در مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم — "

۵۳۔ " در مدح حضرت شیخ محی الدین جیلانی — "

۵۴۔ " در مدح حضرت خواجہ معین الدین چشتی — "

۵۵۔ مسدس مقدس — "

۵۶۔ بہارستان برکت — "

مذکورہ بالا اصحاب اور مؤلف ھٰذا کے نسب نامے ذیل میں دیئے ہیں۔

مولوی سید بشیر الدین احمد بن سید امام الدین احمد بن مفتی عبدالفتاح عرف اشرف علی بن سید عبداللہ حسینی بن میر شمس الدین بن سید زین العابدین بن سید محی الدین بن سید عبدالفتاح بن سید شیر محمد عرف اسداللہ حسینی بن حضرت سید شاہ محمد صادق حسینی قدس سرہٗ عزیز۔

نسب نامہ مؤلف ھٰذا

میر وارث علی ابن میر ہدایت علی بن میر فاضل علی بن میر عباس علی بن سید عارف بن سید کریم بن سید عبدالرحیم بن سید عبدالکریم بن سید شاہ محمد صادق حسینی سرمست رح۔

ایک روز میں اپنے گھر کے کتب خانہ میں ایک ضروری کتاب کی تلاش کر رہا تھا جس کتاب کی تلاش تھی وہ تو ملی نہیں، لیکن مجھے قلمی تین نسخے دستیاب ہوئے جن کو دیکھ کر مجھ کو نہایت حیرت اور مسرت ہوئی۔ ایک نسخہ اردو میں حضرت شیخ سعدی کا پند نامہ، بقلم میر قربان علی ابن میر عباس علی پیرزادہ گلشن آبادی دستیاب ہوا۔ یہ ترجمہ آج سے تقریباً سوا سو برس پیشتر کا ہے۔ ترجمے سے اُس زمانے کی مروجہ اردو کا اظہار ہوتا ہے۔

بطور نمونہ صرف چھ شعر ذیل میں ناظرین کی خدمت میں حاضر کیے گئے ہیں:

تکبّر کی مذمّت میں

عزازیل شیطاں ہوا غضب سے
پڑا طوق لعنت کا اس کے گلے

ہو جس کو تکبر کی عادت سدا
دماغ اس کا نخوت سے ہے گا بھرا

تکبّر تو کرتا ہے کیوں جان کر
گنہ ہے، گنہ ہے ذرا دھیان کر

جھوٹ کی مذمّت میں

ہوا جھوٹ کہنے کا جس کو شعار
وہ کب ہو قیامت کے دن رستگار

نہ کر جھوٹ اے یار تو اختیار
کہ راضی نہ ہو تجھ سے پروردگار

کرے جھوٹ انساں کو شرمندگی
کہ جھوٹا کسی جا موقر نہیں

دوسرا قلمی نسخہ بنام "رسالۂ فقرائے ہفت گروہ" اردو میں اور تیسرا قلمی نسخہ (فارسی) "در بیان درویشان" دستیاب ہوا۔ 'رسالۂ فقرائے ہفت گروہ' اور 'در بیان درویشان' یہ رسالے میر اکبر علی المعروف رمضان علی ابن میر محب علی پیرزادہ گلشن آبادی نے ۱۳۱۲ سنہ ھجری میں تصنیف کیا ہے۔ ان رسالوں کے مطالعے سے اور عبارت کے بیان سے عیاں ہوتا ہے کہ ان صاحبان کو اپنے وقت کے فقراء، درویشان اور مشائخین سے خاص تعلق تھا۔ اور مسند مشیخت کو برقرار رکھا۔ میر اکبر علی مؤلف کے دادا ہیں اور میر قربان علی مؤلف کے پردادا ہیں جو حضرت کے چوتھے فرزند عبدالکریم کی شاخ سے اولادِ نرینہ ہیں۔

سیّد عبداللہ حسینی اور سیّد عبدالفتاح کی مختصر سوانح حیات

سیّد عبداللہ حسینی قادری چشتی گلشن آبادی

آپ سیّد شاہ صادق حسینی سرمست مدنی قدس سرہٗ عزیز کی چھٹی پشت میں ہیں اور اولاد و امجاد حضرت امام علی نقی عسکری علیہ السلام ہیں۔ مشاہیر مشائخین اور سادات و اسلیین دکن سے ہیں۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ممتاز العصر تھے۔ بعد فراغ، سیّد شاہ نور قادری خلیفہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے خرقہ خلافت قادریہ اخذ کیا۔ نیز دیگر بزرگانِ وقت مثل شاہ ظہور الحق اورنگ آبادی الوالعلائی، حاجی دین محمد نقشبندی، خلیفہ شاہ غلام علی نقشبندی و مولانا مولوی محمد اسلمی مدراسی سے فیوضاتِ ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے۔ حضرت محمد یار یاب چشتی برہانپوری سے فیض و اجازت حاصل کی۔ حضرت صوفی دلاور علی شاہ عطا حسین عرف شاہ عبدالرزاق الوالعلائی کے فیض الوالعلائیہ و خرقہ و خلافت سے مستفیض ہو کر اجازت طریقہ الوالعلائیہ و اوراد و اذکار کی پائی۔ تمام عمر قناعت، توکل، صبر و رضا میں گذاری۔ درس و تدریس طلباء میں مشغول رہتے تھے۔ گجرات بڑودہ، میں آدامیت کر کے طلباء کو فیض پہنچاتے۔ بمبئی میں کئی سال نواب صاحب بھگاؤں کے اطفال کے ادیب رہے اور چند ماہ شہزادہ مرزا بخت اور مرزا کام بخش نبیرۂ بہادر شاہ کی اتالیقی و معلمی پر منصوب رہے اور انعام و اکرام پا کر ان کی دستخطیں اور مہر اسنادِ استادی سے ممتاز رہے۔ "رسائل مشائخین" آپ کی تصنیف ہے۔ آپ ہمیشہ مطالعہ کتب علماء دین و تحریر رسائل اولیاء کرام میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر اجزا متفرقات بزرگانِ متقدمین اور متاخرین کے مرقوم فرماتے۔ آپ کی تصانیف ہندی و فارسی تقریباً کئی ہزار بیت ہیں۔ آپ کا وصال بتاریخ ۲۶ ماہ شوال ۱۲۷۷ھ ہجری میں شہر گلشن آباد عرف ناسک میں ہوا۔

مفتی سید عبدالفتاح حسینی القادری

آپ کا نام سید عبدالفتاح اور عرفیت اشرف علی تھی۔ آپ کے والد کا نام سید عبداللہ حسینی تھا جن کی عرفیت گھانسی میاں تھی۔ آپ کی والدہ کا نام سراج بی بی بنت چراغ علی تھا۔ اور سید چراغ علی حضرت نعمت اللہ فرزند سید صادق شاہ سرمست حسینی قدس سرہٗ عزیز کے شاخ کے فرزندِ نرینہ میں آخری چراغ تھے۔

جناب عبدالحلیم ساحل، بمبئی رسالۂ "نوائے ادب" ماہ اپریل ۱۹۷۵ء سنہ عیسوی میں تحریر فرماتے ہیں:

"سید عبدالفتاح[1] کی جائے پیدائش اور ابتدائی تربیت گاہ گلشن آباد عرف ناسک ہے۔ یہ آپ کی خوش بختی تھی کہ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی طبیعت میں فطری طور سے علم و فن کی محبت دیچی اور بسی ہوئی تھی۔ آپ کے والد ماجد نے بچپن ہی میں آپ کے ہمراہ رہ کر تحصیلِ علم کے لئے گجرات کا سفر اختیار کیا۔ علوم متداولہ کے اکتساب کے لئے انھیں جہاں جہاں اساتذۂ وقت نظر آئے، انھوں نے ان سرچشموں سے مستفیض ہونے کی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ ان میں چند اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

(۱) مولوی سید میاں سورتی (۲) مولوی شاہ عالم بڑودوی (۳) مولوی بشارت اللہ کابلی (۴) مولوی عبدالقیوم کابلی (۵) مفتی عبدالقادر تھانوی (۶) مولوی خلیل الرحمٰن مصطفےٰ آبادی عرف رامپوری (۷) مولوی محمد اکبر

---

[1] مصنفہ عبدالحلیم ساحل بمبئی   نوائے ادب، ماہ اپریل ۱۹۷۵ء سنہ   صفحہ ۵۴ تا ۶۳

کشمیری (۸) معلم ابراہیم یا عکلظہ سورتی (۹) مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہ"

چنانچہ خود سیّد عبدالفتاح نے بھی اپنی تصنیف "جامع القادری" جلد اوّل صفحہ ۳ پر ان صاحبان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

" ان کے حضور میں اس بندے نے شاگردی کی ہے اور کتب درسیہ، معقول و منقول، صرف و نحو، علم فقہ، فروع و اصول، بقدر حوصلہ حاصل کرکے تدریس و توعظ و تالیف میں مشغول ہوا۔"

اور صاحب "تذکرۂ علمائے ھند" بھی اپنی کتاب میں اس بات کی تائید کرتے ہیں وہ بھی ان کی بابت اس طرح فارسی عبارت میں تحریر فرماتے ہیں:

" سیّد عبدالفتاح بن سید عبداللہ حسینی از سادات نقویہ ساکن گلشن آباد عرف ناسک، عالم باعمل، فاضل اجل، بخدمت علمائے وقت مثل سیّد میاں سورتی، مولوی شاہ عالم ساکن بڑودہ، مولوی بشارت اللہ کابلی، ملا عبدالقیوم کابلی و مفتی عبدالقادر تھانوی و مولوی خلیل الرحمان ساکن مصطفےٰ آباد عرف رامپور و مولوی فضل رسول بدایونی و محمد اکبر کشمیری و معلم ابراہیم یا عکلظہ تحصیل علوم و متعارفہ و متداولہ نمودہ۔"

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے کسی خاص درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اپنے زمانے کے دستور کے مطابق اساتذۂ وقت کی خدمت میں رہ کر کسب علم کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ کاملانِ فن کو اپنے گھروں پر بطور اطالیق رکھتے اور اپنے بچوں کو بجائے مدارس میں بھیجنے کے گھر ہی میں تعلیم دلاتے۔ آخری دور کے مشہور عالم مولانا ابوالکلام آزاد کی تعلیم و تربیت کا انداز بھی یہی تھا۔

مندرجۂ بالا علماء و مشائخینِ وقت سے فیوضات و برکات و تعلیم دینی حاصل کرنے کے بعد آپ نے تصنیفات کی طرف رُخ کیا اور اپنی زندگی میں چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ اور یہ کارنامے چار فصلوں میں تقسیم ہیں:

نثری کارنامے :- (۱) تحفۂ محمدیہ (۲) تاریخ اولیاء (۳) جامع القواعد (چار جلدیں) (۴) دولت بے زوال (چار جلدیں) (۵) کلید دانش، فارسی (۶) کلید دانش، اردو (۷) کلید دانش ہندی (۸) مرغوب الشعراء (۹) تاریخ انگلستان (۱۰) تاریخ روم (۱۱) تاریخ افغانستان (۱۲) باقیات صالحات (۱۳) اشرف المجالس (۱۴) رحمۃ اللعالمین (۱۵) فیضِ عالم۔

منظوم کارنامے :- دیوان اشرف الاشعار (۲) توشۂ عاقبت۔ مناجات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (۳) قصیدہ بردہ۔ اردو ترجمہ (۴) دیوان قصائد (۵) دیوان نعتیہ (۶) مولود شریف۔

درسی کارنامے :- (۱) جامع الاسماء (۲) فارسی آموز (۳) تعلیم اللسان (۴) خزانۃ العلوم، عربی تین جلدیں (۵) اشرف القوانین (۶) تحفۂ المقال، (۷) اشرف الانشاء، دو حصوں میں (۸) خلاصۂ علم جغرافیہ (۹) مصادر الافعال۔

رسائل :- (۱) مناظرۂ مرشد آباد (۲) تحفۃ الموحدین (۳) اظہار الحق (۴) تحفہ رعظین (۵) تائید الحق۔

علوم متعارفہ کی تحصیل کے بعد سید عبدالفتاح نے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کیلئے منشی گیری کا امتحان عربی میں دیا اور اس میں کامیابی کی سند دستیاب کی، ۱۸۵۶ عیسوی میں وہ دھولیہ (خاندیش) کی عدالت میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس عہدہ پر وہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۲ء تک برسر رہے۔ ۱۸۸۴ء میں بمبئی کے الفنسٹن

کالج اور ہائی اسکول میں عربی، فارسی پڑھانے پر مامور ہوئے لیکن جب ارباب کالج نے داسکول نے عربی اور فارسی کی تدریس اختیاری مضامین کے زمرہ میں شامل کر دیا تو آپ اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے اور اپنی خدمت کے عوض وظیفہ پایا۔ اس ملازمت سے علاحدگی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ان ایام میں اپنے آبائی سلسلۂ ارشاد و تعلیمات پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی اور تنگیٔ وقت کے باعث دیگر مشاغل کے ساتھ کالج کی پروفیسری پر پورے انہماک کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت ہند نے ان کو علمی لیاقت و منصبی خدمات کے اعتراف میں انھیں "جسٹس آف دی پیس" اور "خان بہادر" کے خطابات سے سرفراز کیا تھا۔

آپ اکثر بمبئی میں رہتے اور جامع محلہ میں سکونت کرتے تھے اور اس محلے میں مولوی غلام رسول سورتی کا کتب خانہ تھا جس کے قریب مولانا شبلیؒ سیرت النبی کی تصنیف کے دوران قیام پذیر تھے۔ سید عبد الفتاح صاحب نے کچھ عرصہ محلہ گوری ملا میں بھی سکونت کی، جو متصل بھینڈی بازار ہے۔ نیز آپ نے کچھ مدت تک ناریل واڑی میں بھی قیام کیا۔ جن دنوں آپ بمبئی میں قیام پذیر تھے وہ زمانہ بمبئی کے مسلمانوں کے لئے بڑا ہی پر آشوب تھا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان عقائدی بحثوں، مناظروں اور معرکہ آرائیوں کا دور تھا۔ فرقہ وہابیہ کے مقابل اہل سنت والجماعت کے علماء و فضلاء نبرد آزما رہتے تھے اور مولوی سید عبد الفتاح ان کی قیادت کرتے تھے اور اس زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے، اور شاید اسی زمانے میں آپ نے کتاب "تحفۂ محمدیہ" فی ردِ مرتدیہ تصنیف کی، جس میں انھوں نے فرقہ وہابیہ کی مکمل تردید کی ہے۔ یہ بڑی لاجواب اور مستند کتاب ہے۔

آپ کے دوران قیام سر سید احمد خان صاحب بھی سفر لندن کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لائے تھے اور بمبئی میں سر سید احمد خان صاحب کا قیام بتاریخ ۸ اپریل

سے ۱۱ اپریل ۱۸۶۹ء یعنے صرف تین دن رہا۔ حسنِ اتفاق سے سرسید احمد خاں صاحب کی ملاقات کا شرف سیّد عبدالفتاح عرف سیّد اشرف علی کو بھی حاصل ہوگیا۔ خود سرسید احمد خاں صاحب اپنے سفرنامۂ لندن میں بھنڈی بازار کے مقام کی بابت اور مولوی میر اشرف علی کی ملاقات کے سلسلے میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"تاریخ ۸ اپریل ۱۸۶۹ء کو بالن جی ہوٹل بائکلے سے شام کو میں اور حامد اور خداداد بیگ بھنڈی بازار میں مرزا محمد علی بیگ کی ملاقات کو گئے۔ اس وقت ایک کتب فروش کی دوکان پر میر اشرف علی ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ہمارا وطن اور یہ کہ ہم کہاں جاتے ہیں، پوچھا۔ جب کہ انھوں نے جانا کہ ہم دہلی کے رہنے والے ہیں تو انھوں نے دہلی کے لوگوں کا حال پوچھا اور سید الاخبار جو ایک زمانے میں ہمارے یہاں سے نکلتا تھا ذکر کیا اور کہا کہ سید احمد ایک ایسے شخص دہلی میں ہیں جنھوں نے آثار الصنادید لکھی تھی اور جواد الدولہ ان کا خطاب تھا۔ اب وہ کس طرح ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ میں نے کہا فضلِ الٰہی سے بہت خوش و خرم ہیں، اور آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ دفعتاً کھڑے ہوگئے اور نہایت خوشی اور شوق سے مصافحہ کیا اور بغلگیر ہوئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔"

(ماخوذ از کمار بھارتی، صفحہ ۱۷)

آپ نے سلاسلِ قادریہ، چشتیہ، ابوالعلائیہ میں مشائخین وقت مثل شاہ عطا حسین عرف سیّد عبدالرزاق ابوالعلائی و صوفی شاہ دلدار علی شاہ سے اجازت و خلافت

۱۔ مصنف مہاراشٹر راجیہ شکشن منڈل، پونہ کمار بھارتی صفحہ ۱۷

جمیع سلاسل کی اجازت دی۔ آپ دورانِ قیام ممبئی، جامنی محلّہ میں قیام پذیر ہوتے تھے اور اپنے اس دورانِ قیام میں تصنیفاتِ کتب و دینی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ مسموع ہے کہ چند باشندگانِ ممبئی بھی آپ کے مریدان و عقیدت مندان میں شامل ہیں۔

ازدواجی زندگی

مولوی صاحب نے دو شادیاں کیں۔ ان کا پہلا عقد شرف النساء بی بی سے جو پیرزادہ خاندان کی ایک خاتون تھیں، ہوا۔ ان کی وفات ۲ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ کو ہوئی اور دوسرا عقد عائشہ بی بنت عبدالرحمٰن سے ہوا۔ اس عقد کی تاریخ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ ہے۔ مولوی صاحب کو اس دوسرے حرم سے دو اولاد نرینہ ہوئیں۔ سید احمد اور مولوی سراج الدین۔ اول الذکر کا انتقال مولوی صاحب کی حیات ہی میں ہو گیا۔ ان سے مولوی بشیر الدین اور مولوی فضل الدین تھے۔ جب کبھی آپ اپنے وطن مالوف سے دُور دراز مقام میں قیام کرتے یا کہ قیام کی مدت طویل رہتی تو ان کے جملہ کاروبار ان کے برادرِ اصغر میر غضنفر علی عرف ننھے میاں اٹھاتے اور بحیثیت ان کے مختارِ کل کام کرتے اس معاملے میں مولوی عبدالفتاح صاحب نے سرکاری طور پر انھیں مختار نامہ بھی لکھ دیا تھا، جس کی تاریخ ۲۵ مئی ۱۸۶۰ء ہے۔ آخر عمر تک آپ تدریس و توعیظ ہی میں مصروف رہے۔ بزرگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتے اور چھوٹوں پر شفقت بے پایاں ان کا شعار تھا۔ تقویٰ و پرہیزگاری، طہارت و لطافت تو ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ حق گوئی، بے باکی، خدا ترسی، ہمدردی اور منکسر المزاجی کے وہ مجسمہ تھے اور ان کی تصانیف ان کے حسنِ اخلاق کی معتبر شہادتیں ہیں۔ آپ نے ۵ صفر ۱۳۲۴ ہجری میں وصال پایا۔

ناسک اور اس کے قرب وجوار میں چند مجذوب ودیگر ولی اللہ کے حالات

سید حسین رانجہ شہید

انندولی[1] یہ دیہات ناسک سے مغرب کی طرف تقریباً ڈھائی یا تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۹۷۱ء کے مردم شماری کے اعتبار سے اس دیہات کی کُل آبادی ۱۵۲۸ ہے، اور مراٹھا دورِ حکومت میں اس کی آبادی بالکل ہی کم تھی۔ مراٹھا دورِ حکومت میں انندابائی زوجہ رگھوناتھ راؤ[2] پیشوا (انندابائی باجی راؤ کی ماں تھی) سن ۱۷۶۴ عیسوی میں انندولی میں مقیم تھی۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ ہستی بنام سید حسین رانجہ شہید اسی دیہات میں قیام پذیر تھے۔ آپ عموماً سید رانجہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا خاندان ساداتِ کیا وسے ہے اور آپ کا نسب نامہ سید قطب عالم بخیار سے ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس بزرگ ہستی سے انندابائی کو زیادہ عقیدت تھی اور انندابائی نے حضرت سے بہت فیض وفائدے اٹھائے تھے۔ اس عقیدت مندی کے تحت اپنے گرد کی

---

[1] مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی گلزارِ صادق صفحہ ۵۰

[2] مصنف بی۔ جی۔ گوکھلے مہاراشٹر اسٹیٹ گیزیٹیر صفحہ ۸۶۸

یاد میں انھوں نے اپنے نام کے ساتھ اپنے گرو (یعنے ولی) کا نام جوڑ کر
اس دیہات کے قدیم نام چونڈس کو تبدیل کر کے (انند + ولی) رکھا چنانچہ
اس دیہات کا نام آج بھی انندولی جاری ہے۔ پرانے کاغذات و دفاتر میں
اس دیہات کا نام چونڈس کا ثبوت ملتا ہے۔ انندولی میں حضرت سید حسین
رانجہ کی مزار پر چھوٹی سی بنگلہ نما درگاہ ہے اور اس کے اطراف کھلی جگہ میں آم
املی، نیم وغیرہ کے درخت ہیں۔ درگاہ شریف پر بہت سے عقیدت مندان،
نذر و نیاز، غلاف و چادریں لے جایا کرتے ہیں۔ اور ہر برس ہر دو عید کے
موقع پر عید کے دوسرے دن یہاں پر شہر ناسک کے باشندگان، مرد و زن اور
بچے زیارت کے لئے کثیر التعداد میں جایا کرتے ہیں۔ عید کے دوسرے دن
گویا یہاں پر ایک چھوٹا سا میلہ لگا رہتا ہے۔ حضرت کا مزار دریائے گوداوری
کے کنارے اونچے مقام پر آباد ہے۔ مزار کے اطراف میں بڑا ہی دل کش
منظر ہے۔ اس مزار کے مغرب کی جانب ایک تربت ہے اس میں کون حضرت
آسودہ ہیں اس کی تحقیق ملتی نہیں۔ البتہ یہ تربت اندازاً اسّی سال سے بیشتر
کی ہے اور سال گذشتہ میں اس کھلی تربت کو چاروں طرف سے دیوار بنائی
گئی ہے اور مزار کے مشرق کی سمت سو یا سوا سو گز کے فاصلے پر ایک پرانا
قلعہ ہے جو مراٹھا عہد حکومت کی یادگار ہے اور اسی قلعے میں ابتدا یالی مع
اپنے خاوند رگھوناتھ راؤ پیشوا کے ۱۷۶۴ عیسوی میں اپنی رہائش گاہ بنائی
تھی اور چند سال اسی قلعے میں مقیم تھی۔ مراٹھوں کی پہلی جنگ کا آغاز
۱۷۷۵ عیسوی میں ہوا اور اختتام ۱۷۸۲ عیسوی میں ہوا۔ اس جنگ کا
صلح نامہ تاریخ ۷ مئی ۱۷۸۲ عیسوی میں سلبائی مقام پر ہوا۔ صلح کے

بعد رگھوناتھ راؤ مع اپنے اہل و عیال کے کوپرگاؤں ضلع احمد نگر میں بود و باش کے
لئے چلے گئے اور رگھوناتھ راؤ نے مادھو راؤ پیشوا سے مراٹھا حکومت
میں نصف حصے کا حق طلب کیا اس لئے رگھوناتھ راؤ اور مادھو راؤ پیشوا اول
میں دھوڈپ قلعہ پر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں رگھوناتھ راؤ کو گرفتار
کر کے پونہ کو پیشواؤں کے محل میں نظر قید کے لئے روانہ کیا گیا۔ سنہ ۱۷۹۴ء
میں رگھوناتھ راؤ کی بیوہ آنندی بائی کو کوپرگاؤں سے آنندولی کو لایا گیا۔
اور یہاں پر لانے کے بعد آنندی بائی ایک سال کے اندر انتقال کر گئی۔ بعد ان
کے لڑکے باجی راؤ آخری پیشوا اور چیماجی اپا اور متبنّی لڑکا امرت راؤ پیشوا
سنہ ۱۷۹۵ عیسوی تک آنندولی ہی میں رہے۔ بعد میں ان کو بھی جنیر کے
قلعے شیونیری میں لے جایا گیا۔ رگھوناتھ راؤ پیشوا کی یہ بڑی آرزو تھی، کہ
شہر ناسک کو اتنا وسیع کیا جائے کہ شہر ناسک کی آبادی آنندولی دیہات
تک جا پہنچے۔ مراٹھا دورِ حکومت کی تاریخ بتاتی ہے کہ پیشواؤں نے فرنگیوں
کے ساتھ بسئی ضلع تھانہ میں جنگ کی۔ اس جنگ میں پیشوا چیماجی اپا کو
فتح ہوئی۔ فتح کے بعد فرنگی قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ چیماجی اپا نے قلعے
کے سب سے بڑے گرجا گھر کا گھنٹہ نکلوایا اور اس کو ہاتھی کے گلے میں باندھ کر
کوچ در کوچ کرتے ہوئے اور منزل بہ منزل ہاتھی بدلتے ہوئے بسئی قلعے
سے شہر ناسک کو لا کر نارو شنکر کے مندر میں ۱۷۳۹ عیسوی میں نصب
کرایا جو ہنوز موجود ہے۔ جس طرح شہر ناسک میں سرکار واڑہ، آنندولی کا
قلعہ مراٹھا دورِ حکومت کی یادگار رہا ہیں، اسی طرح یہ گھنٹہ بھی ایک یادگار
ہے۔

استدولی کا قلعہ اب تک موجود ہے لیکن فی الحال بالکل بوسیدہ اور ویران حالت میں ہے اور ناقابلِ رہائش ہو چکا ہے۔ اس قلعے میں ایک بھنوار (تہہ خانہ) اب بھی موجود ہے جو ناسک شہر میں جانے کے لئے ایک خفیہ راستہ کہلاتا تھا۔ لیکن یہ تہہ خانہ اور اس کا راستہ بالکل ٹوٹ گیا ہے اور تہہ خانہ کی اینٹیں وغیرہ گر جانے سے راستہ بالکل بند ہو گیا ہے چنانچہ عہد پیشوائی میں آنندابائی، رگھوناتھ راؤ پیشوا، باجی راؤ پیشوا، چمناجی اپا اور امرت راؤ پیشوا وغیرہ اس آنندولی دیہات میں سن ۱۷۹۵ عیسوی تک قیام پذیر رہے اس لئے اس دیہات کو تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ماسوا اس دیہات میں مسلمانوں کے لئے بھی حضرت سید حسین رانجہ رح کا مزار شریف زیارت گاہ خاص و عام ہے اور چشمۂ فیض و برکات ہے۔

سید حسین رانجہ کا نسب نامہ

سید رانجہ سید حسین[1] بن سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید اسد اللہ بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید حبیب اللہ بن سید صدر شہید بن سید حسین بن سید علی بن سید حبیب اللہ بن سید حسین بن سید محمود بن سید محمد بن سید حسین بن سید احمد بن سید علی بن سید اسمٰعیل بن سید صدر الدین بن سید علیم الدین بن سید شہاب الدین بن سید علاء الدین بن سید نظام الدین بن سید محمد بخاری بن سید محی بن سید زرزری بن سید برہان الدین قطب عالم بختیار بخاری قدس اسرارہم۔

---

[1] مصنف سید مولوی امام الدین احمد بن مولانا مفتی سید عبد الفتاح گلشن آبادی — تذکرۃ الانساب صفحہ ۱۳۶

ایک خوشی کی بات یہاں تحریر کی جاتی ہے کہ چند سال سے یہاں حضرت کا عرس شریف منایا جاتا ہے۔ چنانچہ عرس کی اطلاع کے لیئے عرس کمیٹی خانقاہِ اشرفیہ ناسک کی جانب سے شہر میں اور اطراف کے گاؤں میں اشتہار لگائے جاتے ہیں۔ اشتہار کے مطابق عرس کے دن باشندگانِ ناسک اور قرب وجوار کے دیہاتی اندولی کو جاتے ہیں۔ عرس کے روز اراکین عرس کمیٹی خانقاہِ اشرفیہ زائرین کے آمد ورفت کے لئے خصوصی ایس ٹی بسوں کا انتظام کرتی ہے اور اراکین کمیٹی زائرین کا پرتپاک اور نہایت خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتی ہے۔ عرس کی تقریبیں اس طرح منائی جاتی ہیں۔ صبح ۹ تا ۱۱ بجے تک تلاوتِ قرآنِ مجید، بعدہٗ فاتحہ خوانی اور تناول طعام (یعنی تقسیم نیاز ولنگر شریف)، شام میں ۴ بجے محفلِ سماع بہ طریق خواجگانِ چشت۔ بعدہٗ جلوس گاگر شریف، بعد مغرب حلقہ ذکر بہ طریق مشائخ قادریہ اور حلقہ اور ذکر کے بعد محفلِ سماع بطریق صوفیاء اکرام، محفل سماع شب میں کافی دیر تک جاری رہتی ہے۔ مندرجۂ بالا تقریبوں میں حضرت قبلہ عالم سرکار پیر نامور نظلِ کرامت آفتاب سپہرِ طریقت ماہ اوج حقیقت عمدۃ العارفین زبدۃ السالکین الحاج پیر بخش اللہ شاہ اشرفی اور ان کے خلیفہ مولانا الحاج ابوالمسعود محمد امین صاحب اشرفی بذاتِ خود مع اپنے کل مریدانِ ملت اور عقیدتمندان کے رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس عرس میں تقریباً تین چار ہزار لوگ شرکت کرتے ہیں اور ان تمام لوگوں کے لنگر پر اور دیگر تقریبوں پر کافی روپیہ خرچ ہوتا ہے جو اراکین کمیٹی اور مریدانِ عقیدت بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ بڑی دل جوئی، محنت کشی وخلوص دل سے نہایت تنظیم کے ساتھ عرس کے کل کاروبار کو انجام دیتے ہیں۔

حضرت کے مزار شریف کی دیکھ بھال اور جاروب کشی کے لئے ایک خادم اکثر رہتا ہے۔ حال میں جناب عبدالمجید خان ابن امام علی خان صاحب متوطن اورنگ آباد مزار شریف کی جاروب کشی اور دیگر خدمات سن ۱۹۷۶ عیسوی سے انجام دے رہے ہیں۔

آپ مزار کے جنوب کی جانب ہی کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی کٹیا میں مع اہل و عیال رہائش کرتے ہیں اور بغیر کسی تنخواہ کے مزار شریف کی بے لوث خدمت گذاری اور نگہبانی میں صبح تا شام مصروف رہتے ہیں۔ مزار اقدس پر آنے والے زائرین کی جانب سے آپ کو جو کچھ بھی سبلو رچراغی یا نذرانہ مل جاتا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس آمدنی پر وہ مطمئن نظر آتے ہیں۔ آپ یہاں پر تقریباً پانچ سال سے خدمت گذاری کر رہے ہیں اور مزار شریف اور احاطۂ مزار شریف کو بالکل صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ اور زائرین کے ساتھ بہت خلوص سے پیش آتے ہیں۔

آدم شاہ چشتی رح

آپ[1] فقیر باکمال درویش واصل باللہ تھے۔ مرید و خلیفہ مست علی شاہ چشتی رح کے ہیں۔ جن کا مزار بنگالہ میں ہے۔ صاحب شریعت و صاحب طریقت تھے۔ ہوش در دم، نظر بر قدم، پر کمال مستقیم مزاج تھے۔ تمام اوقات دائم وضو، قائم نماز رہے۔ سرود و سماع کا آپ بڑا شوق رکھتے تھے۔ خود بھی اس فن میں کامل تھے۔ اکثر عمر سیر و سیاحت میں گذار دی۔ ہر جگہ کے بزرگوں کی خدمت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آخر عمر میں ناسک میں آکر قیام فرمایا۔ اور گوشہ نشینی اختیار کر کے یادِ معبود میں کمالِ استغنائی سے زندگی بسر کی۔ عمر بھر حالتِ تجرید و تفرید میں رہے۔ ان بزرگ کا مزار شہر ناسک قاضی پورہ میں ہے۔ مزار شریف پر چھوٹے سے سنگین گنبد کی تعمیر ہے۔ چند سال پیشتر حضرت کا صندل و عرس شریف منایا جاتا تھا لیکن فی الحال عرس نہیں ہوتا ہے۔ صرف صندل شریف پابندی کے ساتھ ہر سال آپ کی تاریخ وصال پر یعنی ۲۶ محرم الحرام کو منایا جاتا ہے، جس میں خصوصاً محلے والے اور باشندگانِ ناسک شرکت کرتے ہیں اور ثوابِ دارین حاصل کرتے ہیں۔ آپ کی وصال کی تاریخ ۲۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۶۶ ہجری ہے۔

---

[1] مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی۔ گلزارِ صادق صفحہ ۵۳

همدان شاہ مجذوب

آپ[1] مجذوب کامل تھے اور اہل تجسس تھے۔ آپ کا وطن حیدرآباد دکن تھا عالم مجذوبیت میں اکثر رہا کرتے تھے اور عالم جذب میں کسی بزرگ کامل کی آپ پر نظر پڑ گئی اور چنانچہ آپ نے یکسوئی اختیار کر لی۔ آپ قانع اور متوکل تھے، شب و روز عالم سکوت میں رہتے اور ایک کملی کا گٹھا لوہے کے سامان سے بھرا ہوا سر پر رکھ کر شہر میں گشت لگایا کرتے تھے۔ جب اور جہاں آپ کا جی چاہا لوہار کی دوکان پر بیٹھ جاتے۔ گٹھے میں سے لوہے کا ایک ٹکڑا نکال کر لوہار کو دیتے اور فرماتے کہ اس کی فلاں چیز بنا دے۔ جب لوہار اس ٹکڑے کو آگ پر رکھ کر سرخ کرتا اور گھن پر رکھ کر ہتوڑا مارتا تو آپ اس سرخ لوہے پر ہاتھ رکھتے اور ہتوڑا مارنے کا نِت ان لوہار کو بتاتے تھے اور آگ کا ان پر اثر نہ ہوتا تھا چنانچہ یہ حال آپ کا اکثر لوگوں نے بچشم خود دیکھا ہے آپ ہمیشہ استغراق کی حالت میں رہ کر دنیا و ما فیہا سے بالکل بے خبر تھے آپ کی زبان بہت با اثر تھی جو زبان سے نکلتا ظہور میں آتا تھا۔ آپ کا مزار شریف ہیل باوڑی مسجد کے متصل ہے۔ وصال آپ کا ۱۷ ربیع الاول ۱۲۸۶ ہجری میں ہوا ہے۔

شیخ حسین میاں رح

شیخ[2] حسین میاں العروف ولی میاں صاحب بزرگ مست صاحب جذبہ تھے۔ آپ پہلے پہل ناسک میں تشریف لائے۔ اس وقت آستانہ حضرت شاہ محمد صادق

---

۱ مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — گلزار صادق — صفحہ ۵۴

۲ مصنف سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی — گلزار صادق — صفحہ ۵۶

سرمست حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے مسافر خانہ میں وارد ہوئے۔ آپ ناسک میں کہاں سے تشریف لائے اور آپ کا نسب نامہ کیا ہے اس کا پتہ نہیں ملتا۔ کئی دنوں تک آپ اسی مسافر خانہ میں مقیم رہے۔ جب تک آپ نے اس مسافر خانہ میں بود و باش کی تب تک قرب و جوار کے لوگوں کے گھروں میں مزدوری کرتے، ان کے بوجھ اٹھاتے یا ان کے گھروں کا پانی بھرتے یہ آپ کا شیوہ تھا۔ ان کاموں سے جو بھی اجرت ملتی رات کو اپنے مسافر خانہ کی قیام گاہ کے طاقچہ میں رکھ دیتے۔ آپ کو کسی نے خیرات یا قرض مانگتے کبھی نہیں دیکھا۔ لوگ عموماً آپ کو دیوانہ سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے شرارت پسند طفلان نے آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ بچوں کی شرارت سے تنگ آ کر آپ نے خانقاہ چھوڑ دی اور شہر ناسک میں ترمبک دروازہ کی جانب رُخ کیا۔ یہاں پر ایک تاجر کے یہاں سکونت اختیار کی۔ اور تادم مرگ یہیں پر آپ نے زندگی کے آخری دن گذار دیئے۔ آپ سے اکثر کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ آپ بسا اوقات مدہوش اور جذبہ میں رہا کرتے تھے جب کبھی مزاج شریف میں آیا تو کچھ باتیں بے جوڑ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما دیتے ہر موسم میں تمام عمر ایک ٹوپی، ایک پیرہن اور ایک پاجامہ آپ کے زیب تن رہا۔ یہی گویا آپ کی زندگی کا اثاثہ تھا۔ آپ بدن سے نحیف و لاغر تھے۔ وصال سے پیشتر آپ چند ماہ سخت علیل رہے اور محلہ کھڑکالی میں آپ نے وصال پایا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر کافی طویل تھی۔ آپ کی ناسک میں تشریف آوری کو تقریباً سو یا سوا سو برس کا عرصہ گذرا۔"

مصنف گلزار صادق مولوی سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی نے اپنے اپنے شعبین وحیات میں صاحب موصوف سے کئی بار شرف ملاقات حاصل کی اور آپ اپنی تصنیف

گلزارِ صادق میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ حسین میاں رح کی آپ پر اکثر نظر کرم رہا کرتی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کو محلہ کھڑکالی میں دفن کیا گیا اور پختہ مزار شریف تعمیر کرائی گئی۔ وصال کے بعد محلّہ کے حضرات نے کئی سال تک آپ کا عرس بھی منایا۔ اب تقریباً چالیس بیالیس برس کا عرصہ گذرا آپ کا عرس منایا نہیں جاتا۔ آپ کا مزار شریف محلہ کھڑکالی میں نزدیک دروازہ پولیس چوکی کے مشرق کی جانب چوکی کے بہت قریب واقع ہے اور آج بھی مرجع خلائق ہے۔ معتقدیان وباشندگانِ ناسک اکثر فاتحہ خوانی و ایصالِ ثواب کی غرض سے حضرت کے مزار کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔

مندرجۂ بالا ناسک کے اولیاء کرام کے علاوہ شہر میں اور شہر کے اطراف اور بھی اولیاء اللہ اور مجذوب وغیرہ ہیں۔ حضرت امین شاہ باوا چشتی، باغبان پورہ کی بابت "گلزارِ صادق" میں مرقوم ہے کہ:

"حضرت امین شاہ چشتی رح کو سلسلہ چشتیہ سے نسبت ہے، اور شہر ناسک محلّہ باغبان پورہ کی مسجد کے صحن کے حجرہ میں آپ راحت فرما ہیں۔ انوار ولایت و شان و جمال آپ کی مرقد سے نمایاں ہے۔"

اور حضرت تراب علی شاہ کی بابت اسی گلزار صادق میں تحریر ہے کہ:

"آپ فقیر با طریقت و درویش باہوش تھے۔ شہر سے مغرب کی جانب نصف میل پران کا مزار ہے۔ آپ کا زمانہ بھی سو سال کے اندر کا ہے۔ کئی معمّر لوگوں نے ان کو دیکھا ہے اور کہا ہے فقرائے زمانۂ حال میں آپ کی ذات باغنیمت تھی۔"

حضرت امام شاہ، چوک منڈی۔ حضرت نانا ولی شاہ، نائک واڑی پورہ کی مشرق کی جانب حضرت سید حیدری باوا، نائک واڑی پورہ، حضرت سید صاحب مولانا، شہر ناسک

میونسپل کمیٹی کے عمارت کی مشرق کی جانب، حضرت امیر الزماں، کھڑ کالی اور حضرت مولا بابا گھانس بازار ناسک، ان ولیوں اور مجذوبوں کی حالات زندگی کے با اعتبار کاغذات یا دستاویزات اب تک دستیاب نہ ہو سکے، لہٰذا ان ہستیوں کے مفصّل حالات قلم بند کرنے میں فی الحال مجبوری ہے۔ صرف حضرت مولا بابا کی بابت اتنا لکھ سکتے ہیں کہ ان کا زمانہ پچاس ساٹھ برس اوّل کا ہے اور مؤلف نے حضرت مولا بابا کو بذاتِ خود دیکھا ہے آپ دریائے گوداوری (گنگا) کے مشرقی کنارے پر جہاں آج کل گاڈگے مہاراج کا پل ہے وہاں پر قیام فرما تھے اور ان کی خدمت میں اکثر غیر مسلم لوگ رہا کرتے تھے۔ آپ جسم میں مضبوط اور قد آور مجذوب تھے۔ آپ برہنہ رہتے تھے اور مدراسی زبان جانتے تھے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کا وطن کسی شہر مدراس کے علاقہ میں تھا۔ آپ اکثر لنگر اور نیاز جاری رکھتے تھے اور لنگر نابالغ بچوں کو کھلایا کرتے تھے۔ مزار شریف آپ کا گھانس بازار میں ہے۔

راقم الحروف نے اس کتاب کے آغاز میں ربّ العزت کی حمد، نعت رسول پاک اور پیغمبران و بزرگانِ دین کی منقبت تحریر کر کے برکتیں حاصل کی ہیں۔ لہٰذا کتاب کے اختتام پر بھی باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب آتا ہے۔ اس خیال کو مدّنظر رکھتے ہوئے مؤلف بارگاہِ ایزدی میں سر بسجود ہے نیز جن بزرگانِ دین کا تذکرہ ضبطِ قلم میں لایا گیا ہے ان کی دعاؤں کے طفیل فیض یابی اور ثوابِ دارین کا طلب گار ہے۔

سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں درگاہ میں تیری
کہ اختتام کو پہنچا دیا کتاب میری

بعون ربّ العزت — تمام شد

تاریخ ۲ ذی الحجہ ۱۴۰۱ ہجری
۱ اکتوبر ۱۹۸۱ عیسوی

اس کتاب کو مرتب کرنے میں جن کتابوں سے امداد لی گئی ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں

کتاب کا نام		مصنف کا نام
۱۔ دی مہاراشٹر سٹیٹ گیزیٹیر	۱۹۷۵ء	مسٹر بی جی کنکھڑے، ایم اے پی ایچ ڈی
۲۔ دی بامبے گیزیٹیر ضلع ناسک	۱۸۸۳ء	مسٹر جیمس اے کامبیل، آئی سی ایس
۳۔ پریچنگ آف اسلام	۱۸۹۶ء	مسٹر ٹی ڈبلیو آرنالڈ، ایم اے سی آئی ای
۴۔ دعوتِ اسلام	۱۸۹۸ء	مترجم محمد عنایت اللہ دہلوی
۵۔ عملِ صالح، الموسوم شاہجہاں نامہ جلد اول	۱۱۲۰ھ	مولوی محمد صالح کنبوہی
۶۔ ہسٹری آف انڈیا	۱۹۵۲ء	سر ایچ ایم الیٹ
۷۔ میمائرس آف جہانگیر	۱۹۵۲ء	سر ایچ ایم الیٹ
۸۔ شاہجہاں	۱۹۵۳ء	سر ایچ ایم الیٹ
۹۔ اکبرنامہ جلد سوم فارسی		ابوالفضل، مترجم ایچ بیورج آئی سی ایس
۱۰۔ ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا	۱۹۶۵ء	مجمدار، چودھری اے، دتا، ایم اے پی ایچ ڈی
۱۱۔ خاصانِ خدا	۱۳۵۸ھ	مصطفائی بیگم، حیدرآباد، دکن
۱۲۔ تزکِ جہانگیری فارسی		شہنشاہ نورالدین جہانگیر
ترجمہ	۱۹۶۷ء	مترجم جناب حاجی مولوی احمد علی رامپوری
۱۳۔ اسرار الاولیاء فارسی		مولوی بدر اسحاق
۱۴۔ حدیقۃ الاولیاء	۱۸۸۹ء	غلام سرور لاہوری

کتاب کا نام		مصنف کا نام
۱۵۔ سیر العارفین فارسی		حامد بن فضل اللہ جمالی
ترجمہ	۱۹۷۵ء	مترجم محمد ایوب قادری
۱۶۔ دلیل العارفین فارسی	۵۱۴ھ	حضرت خواجہ بختیار کاکی رح
ترجمہ اردو	۱۸۸۵ء	مترجم مولانا فضل اللہ ابن مولانا الحاج محمد عبد اللہ
۱۷۔ گلزار صادق	۱۳۷۴ھ	سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی
۱۸۔ صبح صادق	۱۳۳۰ھ	سید بشیر الدین احمد پیرزادہ گلشن آبادی
۱۹۔ برکات الاولیاء	۱۳۲۱ھ	سید امام الدین ابن مولانا عبد الفتاح پیرزادہ
۲۰۔ سراج الفقراء	۱۲۹۶ھ	" " " "
۲۱۔ تذکرۃ الانساب	۱۳۱۲ھ	" " " "
۲۲۔ مختصر تاریخ ملت		مولانا اخلاق حسینی قاسمی صدر جمعیۃ العلماء دہلی
۲۳۔ آب کوثر	۱۹۵۲ء	شیخ محمد اکرام ایم اے پی ایچ ڈی
۲۴۔ بمبئی میں اردو	۱۹۷۰ء	ڈاکٹر میمونہ دلوی، بمبئی
۲۵۔ رسالہ نوائے ادب، ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء		عبد الحلیم ساحل بمبئی شعبۂ اشاعت انجمن اسلام
۲۶۔ رسالہ ساقی، ماہ جنوری	۱۹۳۲ء	مدیر شاہد احمد بی اے آنرز دہلی
۲۷۔ کسان بھارتی	۱۹۷۳ء	مہاراشٹر مادھمک شکشن منڈل پونہ